دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مفتی

فقیہ اعظم

مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی

قدس اللہ سرہٗ العزیز

۱۲۷۵ھ ـــــ ۱۳۴۷ھ

بندہ عزیز الرحمٰن دیوبندی عفی عنہ



دستخط اور مہر کا عکس

تالیف

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

جامعہ دار السلام مالیرکوٹلہ (پنجاب)

ترتیب

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کارکشا، کارساز
خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب، اس کی نگہ دلنواز
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز

(اقبال رح)

سلسلہ مطبوعات جامعہ ۱۳ ○ پہلا ایڈیشن، سن ۱۹۹۱ء ○ صفحات: ۵۶ ○ قیمت: دس روپے

ناشر: جامعہ دارالسلام مالیر کوٹلہ ۱۴۸۰۲۳ پنجاب۔

پیش لفظ

الحمد للہ رب العٰلمین وصلوٰۃ اللہ وسلامہ ورحماتہ
علی صفوۃ عبادہ محمد عبدہ ورسولہ وعلی اھل بیتہ
الطاھرین وصحابتہ اجمعین، ومن تبعھم الی
یوم الدین۔

عم محترم (اباجان) حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی رح کی حیات میں ہی بارہا مختلف حلقوں کیطرف سے یہ خواہش سامنے آئی کہ حضرت دادا صاحب مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رح کی زندگی پر ایک مفصل کتاب سامنے آنی چاہئے — خود اباجان قلم اٹھاتے تو یقیناً ان کی وسیع معلومات، مشاہدات، تجربات، فقہ وفتاویٰ پر ان کی بصیرتِ فکر اور پھر ان کی شگفتہ تحریر میں بات ہی کچھ اور ہوتی — مولانا سعید احمد اکبر آبادی لکھتے تو ان کی رواں دواں تحریر، حضرت دادا صاحب کا فیضانِ صحبت جو دیوبند کی طالب علمی کے زمانے میں ان کو میسر آیا یہ سوانح بھی ہوتی، تاریخ بھی اور ان کے اپنے مشاہدات وتجربات کا ایک خوبصورت عکس بھی۔

اب یہ دونوں ہی بزرگ ہم لوگوں کو چھوڑ کر جا چکے ہیں۔

محترم مولانا ظفیر الدین صاحب مفتی دار العلوم دیوبند جنھوں نے دادا صاحبؒ کے فتاویٰ بڑی دیدہ ریزی اور لگن کے ساتھ مرتب کئے ہیں انھوں نے ایک زمانے میں برہان دہلی میں اس کا آغاز کیا تھا اور دادا صاحب کے حالاتِ زندگی پر چند قسطیں شائع بھی ہو چکی تھیں مگر پھر یہ سلسلہ آگے نہ چل سکا۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے فتاویٰ دار العلوم کے آغاز میں ایک بڑا مفصل اور مبسوط مقالہ دادا صاحبؒ کے حالاتِ زندگی پر تحریر فرمایا تھا جو کافی حد تک ان کی زندگی کے مختلف گوشوں کو سمیٹے ہوئے ہے مگر ظاہر ہے یہ کتاب کی مناسبت سے ایک مقالہ ہے جو اپنی جگہ بہت جامع ہوتے ہوئے بھی زیادہ پھیلانے کی گنجائش نہیں ہو سکتی تھی۔ تاہم اس کے ذریعے بہت سے وہ واقعات جو سینوں میں تھے مستند ذریعے اور با اعتبار قلم سے صفحے میں آ گئے۔

حضرت دادا صاحب کے سلسلۂ بیعت سے تعلق رکھنے والے صاحبِ باطن بزرگ حضرت مولانا سید عقیل محمد

صاحب میرٹھی مہاجر مدنی مدظلہ العالی نے بھی ایک مقالہ داداصاحبؒ کی زندگی پر تحریر فرمایا تھا جو شائع
نقش بندیہ کے حالات اور شجرہ کے ساتھ کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔

جستہ جستہ کچھ حالات وواقعات پروفیسر انوار احمد صاحب شیر کوٹی کی کتاب "حیاتِ عثمانی" اور الرشید کے "دارالعلوم نمبر" میں بھی تھے۔ اس کے علاوہ الرشید اور القاسم کے پرانے فائلوں میں کچھ ایسی چیزیں سامنے آئیں جو ابھی تک ان مذکورہ "تذکروں" میں کہیں نہیں تھیں مثلاً داداصاحب کے عربی، فارسی، اردو کے اشعار جو کہ ان کے صاف ستھرے ادبی ذوق کی غمازی کرتے ہیں۔

ان سب چیزوں کو سامنے رکھ کر یہ داعیہ پیدا ہوا کہ جیسے تیسے ایک مختصر سا تذکرہ تو آجانا ہی چاہیئے جس میں ان سب چیزوں کو سمیٹ کر تازہ کر دیا جائے۔

الرشید اور القاسم کے فائلوں میں داداصاحب کے دو مضمون بڑے مفصل اور قیمتی ہیں جنکے مجموعی صفحات پانچسو کے قریب ہوتے ہیں۔ اصل میں؛ میں ان کو عنوانات اور حوالوں کے ساتھ نئی ترتیب دینا چاہتا تھا اور یہ تذکرہ اس کے آغاز کے طور پر لکھا گیا تھا، پھر یہ خیال ہوا کہ ابھی ان کی ترتیب اور اشاعت میں کچھ وقت لگ سکتا ہے اور یقیناً لگے گا اس لئے کیوں نہ فی الحال یہ تذکرہ سامنے آجائے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب کی فقہی خدمات اتنی وسیع ہیں جنکو آنے والا وقت بھی فراموش نہیں کر سکے گا —— اگر آپ فقہ وفتاویٰ کے میدان میں علمی کام کر رہے ہیں تو آپ کو ان کی فقہی بصیرت کا پورا پورا اندازہ اور اس کی قدر اور زیادہ محسوس ہوگی۔

۱۹۷۶ء کی بات ہے میرے سامنے پنجاب کی ایک خاتون کا معاملہ آیا —— خاتون صرف چند دن سسرال رہ کر آگئی تھیں اور گیارہ سال سے گھر بیٹھی تھیں۔ شوہر کے ساتھ موافقت کی کوئی صورت نہیں تھی۔ ضروری کارروائی کے دوران فتاویٰ دارالعلوم میں مالیر کوٹلہ کے سابق مفتی مولانا محمد صدیق صاحبؒ کا سوال اور داداصاحب کی طرف سے اس کا جواب نظر سے گذرا، معاملہ کی نوعیت ملتی جلتی تھی اور جانبین میں عدم موافقت کا مسئلہ تھا، داداصاحب نے لکھا تھا۔

"اگر مفتی کی رائے میں قرائن وحالات سے یہ راجح معلوم ہو کہ بحالت موجودہ زوجین میں موافقت نہ ہوگی اور فسخ نکاح کا حکم نہ کرنا دیگر فتن کا باعث ہوگا جیسا کہ مظنون ہے اور دلیل عَنِّى اَنْ تَعْجِزَ عَنِ الْمُقَامِ مَعَہٗ' کا چسپاں ہونا یہاں زیادہ قریب الوقوع معلوم ہوتا ہے تو قول امام ابو یوسف رحؒ کو اختیار کرنا بھی مؤید بالروایات ہے

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ہشتم صفحہ ۲۴۰)

یہ ہے وہ فقہی بصیرت، شریعت کے منشار کا صحیح شعور، نکاح کے مقاصد پورے نہ ہورہے ہوں اور اللہ کی حدود ٹوٹتی نظر آئیں تو نکاح کا توڑ دینا زیادہ مناسب ہے۔

یہ صرف ایک مثال ہے، قدم قدم پر آپ کو اس طرح کے نمونے نظر آئیں گے ـــــ وقت گذرتا جارہا ہے ان محترم شخصیات کے دیکھنے والے، برتنے والے دنیا سے اٹھتے جارہے ہیں۔ اب وہ آنکھیں نہ ملیں گی جنھوں نے ان کے دیدار کئے تھے، وہ لوگ نہ ملیں گے جنھوں نے ان کی صحبت اٹھائی تھی ـــــ ان کی زندگی کے حالات اور ان کے علمی ورثے ہی موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لئے قدم قدم پر روشنی کے سامان ہوں گے ـــــ اس احساس کے ساتھ اپنی علمی بے مائیگی کے باوجود یہ اوراق پیش خدمت ہیں۔

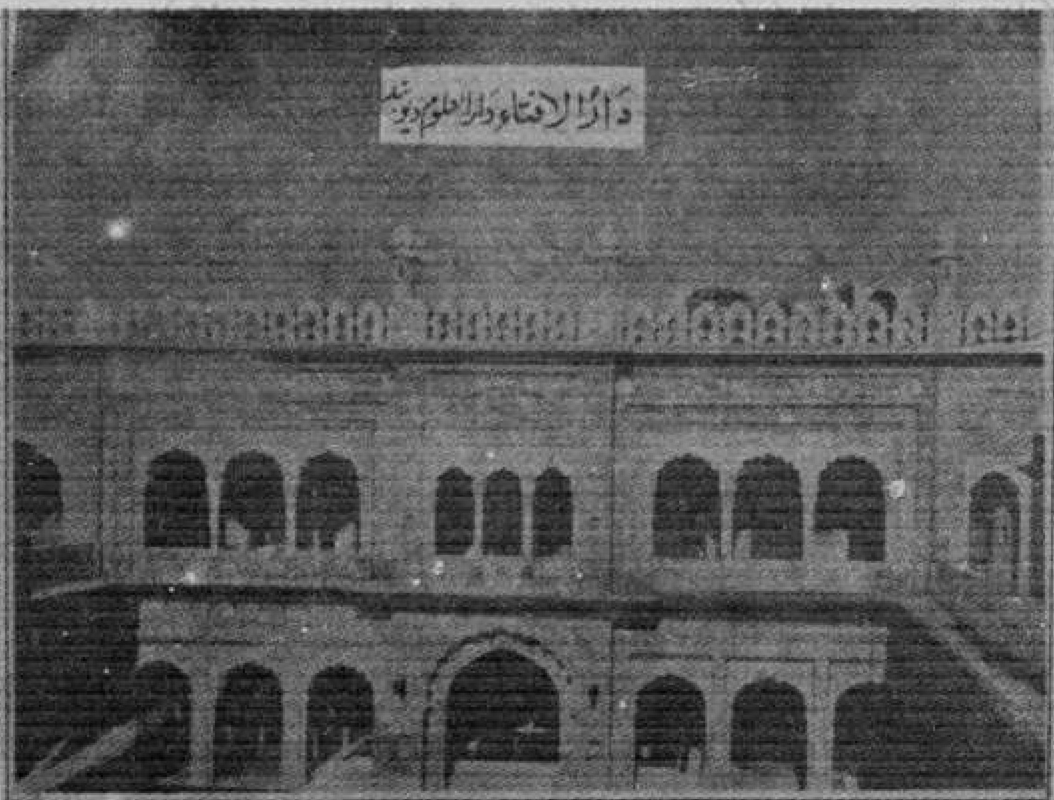
اللہ تعالیٰ میری اس خدمت کو قبول فرمائے اور ہمیں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ـــــ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

جامعہ دارالاسلام مالیرکوٹلہ

۲۲ر ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

۳ر اکتوبر ۱۹۹۱ء - یوم الخمیس



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

① ـــ خاندانی حالات

(مفتی) عزیز الرحمٰن عثمانی رہ کا سلسلۂ نسب ۴۲ ویں پشت میں تیسرے خلیفۂ راشد حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

حضرت عثمان کی نانی، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کی حقیقی بہن تھیں جو حضرت عبداللہ کے ساتھ توام (جڑواں) پیدا ہوئی تھیں۔ اس طرح حضرت عثمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سن چوبیس ہجری (۲۴ھ) میں خلیفۂ اسلام امیرالمومنین مقرر ہوئے اور سن پینتیس ہجری (۳۵ھ) بارہ سال تک اس اہم ذمہ داری کو ادا فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ بروز جمعہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں ۸۲ سال کی عمر میں شہید ہوگئے۔

مدینہ طیبہ کے قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ آپ کے کل گیارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں ہوئیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ "ذی النورین" کے لقب سے معروف ہوئے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثوم رضہ یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں۔

آپ ذی النورین کے علاوہ ذوالہجرتین بھی تھے، یعنی آپ نے حبش کی ہجرت بھی کی اور مدینہ کی بھی۔ آپ شکل وصورت اور عادت واخلاق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھے۔ شرم وحیا نرم دلی وسخاوت آپ کی امتیازی شان تھی۔

ملاحظہ فرمایئے نسب کا یہ سلسلہ (شجرۂ نسب) جو حضرت عثمان رضہ تک پہنچتا ہے۔

۱ فقیہ اعظم مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی	۲ مولانا فضل الرحمٰن عثمانی	۳ مراد بخش
۴ غلام محمد	۵ غلام نبی	۶ لطف اللہ
۷ محمد عاشق	۸ شیخ فرید عثمانی	۹ ابو محمد
۱۰ محمد حافظ	۱۱ شیخ محمد	۱۲ خواجہ عبدالمالک
۱۳ عبدالعزیز	۱۴ عبدالحکیم	۱۵ سعید

۱۶ شیخ محمد ۱۷ خواجہ فضل اللہ ۱۸ خواجہ ابوالوفا ۱۹ عبیداللہ

۲۰ حسین ۲۱ عبدالرزاق ۲۲ عبدالحکیم ۲۳ حسن

۲۴ عبداللہ عرف ضیاء الدین ۲۵ یعقوب عرف معزالدین ۲۶ عیسٰی

۲۷ اسماعیل ۲۸ محمد ۲۹ ابوبکر ۳۰ علی

۳۱ عثمان ۳۲ عبداللہ جرجانی ۳۳ عبداللہ گازرونی ۳۴ عبدالعزیز ثالث

۳۵ خالد ۳۶ ولید ۳۷ عبدالعزیز ثانی

۳۸ شہاب الدین المعروف بہ عبدالرحمٰن اکبر ۳۹ عبداللہ ثانی

۴۰ عبدالعزیز ۴۱ عبداللہ الکبیر ۴۲ عمرو

۴۳ امیرالمؤمنین عثمان بن عفانؓ بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب۔

دیوبند ــــ مدینۂ ہند

اوپر شجرہ میں اٹھارہ نمبر پر خواجہ ابوالوفا عثمانی کا نام آپ دیکھ رہے ہیں ــــ یہ خواجہ ابوالوفاء شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء پانی پتی کے چچازاد بھائی ہیں ــــ اور کبیرالاولیاء پانی پتی کا زمانۂ وفات ۷۶۵ھ / ۱۳۶۳ء ہے ــــ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شیخ ابوالوفاء آٹھویں صدی ہجری کے کسی حصے میں دیوبند میں سکونت پذیر ہوئے۔ دیوبند کے محلہ "محل" میں ان کا مزار ہے۔

شیخ ابوالوفاء کی اولاد میں اللہ نے بڑی برکت دی۔ دیوبند کے تمام عثمانی شیوخ ان کی ہی اولاد ہیں۔

شہاب الدین المعروف عبدالرحمٰن اکبر جو حضرت عثمانؓ کی چھٹی پشت میں ہیں ــــ اوپر شجرہ میں نمبر ۳۸ ملاحظہ فرمائیں ــــ "اقتباس الانوار" کی روایت کے مطابق مدینہ منورہ سے ترک وطن کرکے "گازرون" علاقہ "ماوراءالنہر" میں سکونت پذیر ہوئے۔ اور ان کی تیرھویں پشت میں شیخ ابوالوفاء دیوبند آئے اور یہیں مقیم ہوگئے۔ ۱؎ ۲؎

۱؎ ۲؎ تاریخ دیوبند۔ سید محبوب رضوی ص ۲۸-۲۹۔ حیات عثمانی۔ پروفیسر محمد انوارالحسن شیرکوٹی ص ۳۳

دیوبند کا محل وقوع

قصبہ "دیوبند" شمالی ہند میں ۲۹ درجہ ۵۸ دقیقہ عرض البلد اور ۷۷ درجہ ۳۵ دقیقہ طول البلد پر دہلی سے ۹۱ میل شمال کی جانب ضلع سہارنپور (یوپی) میں قدیم بستی ہے۔ دیوبند کے شمال میں سہارنپور، جنوب میں مظفر نگر، مشرق میں بجنور اور مغرب میں کرنال ہے۔ اس کے مشرق میں دریائے گنگا بہتا ہے اور مغرب میں دریائے جمنا۔ دیوبند ان دونوں مشہور دریاؤں کے درمیان دوآبہ پر واقع ہے۔ کلکتہ سے پشاور تک پھیلی ہوئی شیرشاہ سوری کی شاہراہ اعظم دیوبند سے گذرتی ہے۔ ایسٹرن پنجاب ریلوے لائن جو پشاور کے بجائے اب امرتسر تک جاتی ہے دیوبند سے ہوتی ہوئی جاتی ہے۔ یہ ریلوے لائن ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء میں تعمیر ہوئی اور یکم جنوری ۱۸۶۹ء/۱۲۸۶ھ سے اس پر ریلیں چل رہی ہیں۔

مولانا فضل الرحمٰن عثمانی

علوم اسلامیہ کی عظیم دینی درس گاہ دارالعلوم[1]۔ دیوبند کے قیام میں جو لوگ پیش پیش رہے، ان میں ایک نمایاں نام مولانا فضل الرحمٰن عثمانی کا ہے ـــــ تعلیم کی ابتدائی منزلیں اپنے وطن دیوبند میں طے کرنے کے بعد دہلی کالج میں مولانا مملوک علی صاحب سے تعلیم حاصل کی ـــــ فارسی ادب میں خصوصی مہارت رکھتے تھے، خود بھی ادیب وشاعر تھے، مولانا اصغر حسین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند نے ان کا ذکر "خاقانی ہند" سے کیا ہے[2]۔ مادۂ تاریخ نکالنے میں یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ حکومت ہند کی طرف سے محکمہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدہ پر فائز رہ کر ریٹائر ہوئے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ کے وصال پر جو آپ نے اشعار کہے اس کا آخری شعر یہ ہے ؎

سرِ الم سے لکھی فضل نے سنین وفات ٭ وفات سرور عالم کا یہ نمونہ ہے
۱۲۹۷ھ

○ مولانا فضل الرحمٰن نے ۱۲۸۳ھ سے ۱۳۲۵ھ تک بیالیس سال دارالعلوم کی بے لوث خدمات انجام دیں

---

[1] مدرسہ عربیہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ (۳۰ مئی ۱۸۶۶ء) یوم پنجشنبہ قائم ہوا۔ دارالعلوم کے قیام کے وقت مولانا فضل الرحمٰن کی عمر صرف ۵۴ سال تھی۔ [2] حیات شیخ الہند مولانا میاں اصغر حسین صفحہ۔

اور اس درسگاہ کو پروان چڑھایا، عمر کے آخری لمحے تک مدرسہ کے رکن رکین رہے۔ ۲ر جمادی الاول ۱۳۲۵ھ (۱۵ر جون ۱۹۰۷ء) بروز ہفتہ خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا مزار دیوبند قبرستان قاسمی میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رح کے برابر میں ہے، آپ کے مزار پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

○ مولانا فضل الرحمٰن کی اولاد میں تین نام ایسے ہیں جن کو ہندوستان کی دینی اور علمی تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکے گی۔

○ ایک میرے حقیقی دادا حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی۔ جو کہ دارالعلوم کے سب سے پہلے مفتی ہوئے۔

○ دوسرے مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی ــــ ۱۳۲۴ھ سے دارالعلوم کی مسند اہتمام پر رونق افروز ہوئے، فہم و فراست، علم و فضیلت میں نہایت ممتاز تھے۔ دارالعلوم دیوبند کو مرکزی حیثیت کی درسگاہ بنانے میں ان کا کردار نمایاں رہا ہے۔ انھوں نے اپنے زمانے میں ہر فن کے ماہرین کو دارالعلوم میں جمع کرلیا تھا ــــ ۴ر رجب ۱۳۴۸ھ (دسمبر ۱۹۲۹ء) کو جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ دیوبند قبرستان قاسمی میں ان کا مزار اپنے والد مرحوم کے قریب ہے ان کے مزار پر کچھ عرصہ پہلے کتبہ لگایا گیا ہے۔

○ تیسرے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رح (۱۸۸۹ء - ۱۹۴۹ء)۔ صحیح مسلم کی عربی شرح فتح الملہم۔ قرآن مجید ترجمہ شیخ الہند رح پر (سورہ بقرہ و نساء کے علاوہ) تفسیری فوائد، اور اس کے علاوہ بہت سی علمی کتابیں ان کی یادگار ہیں ــــ حضرت کا علم وسیع اور عمیق تھا، شگفتہ تحریر، دل نشین خطابت، معتدل اور مدبرانہ فکر علمی دینی اور سیاسی میدان کے شہسوار، ان بزرگوں میں سے تھے جنکی نظیریں ہر دور میں گنی چنی ہی ہوا کرتی ہیں۔

۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء سے ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۴-۴۵ء تک دارالعلوم کے صدر مہتمم رہے۔ حضرت علامہ کا مزار کراچی (پاکستان) میں ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن عثمانی کی اولادیں

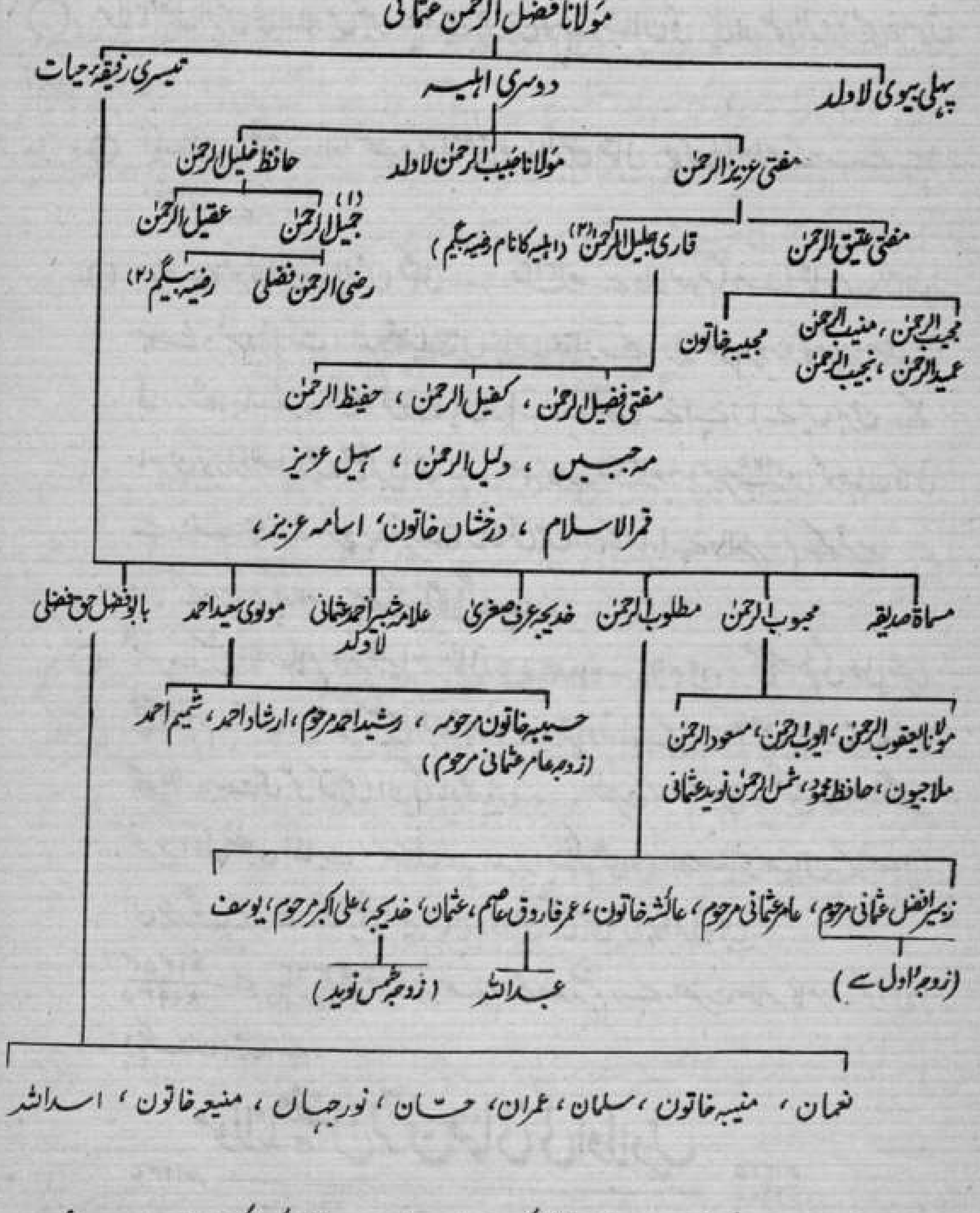
۱۲۴۷ھ ــــ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رح کے والد بزرگوار مولانا فضل الرحمٰن عثمانی نے تین شادیاں کیں۔ پہلی زوجہ لاولد تھیں، ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

دوسری اہلیہ سے مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا حبیب الرحمٰن، حافظ خلیل الرحمٰن۔ تین لڑکے ہوئے۔

تیسری اہلیہ سے ایک صاحبزادی مسماۃ صدیقہ — اور پانچ لڑکے ہوئے — مولانا مطلوب الرحمٰن، علامہ شبیر احمد عثمانی، محبوب الرحمٰن، مولوی سعید احمد، بابو فضل حق فضلی۔

ان کی اولاد کا شجرۂ نسب یہ ہے۔



(۱) جمیل الرحمٰن صاحب مرحوم کی شادی مولانا فضل الرحمٰن کی صاحبزادی مسماۃ صدیقہ خاتون کی لڑکی زینب معصوم سے ہوئی۔

(۲) رضیہ بیگم کی شادی مفتی عزیز الرحمٰن کے چھوٹے صاحبزادے قاری جلیل الرحمٰن سے ہوئی۔

فقیہ اکبر حضرت مفتی اعظم ہند مولانا الحاج الشیخ عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندی رح

کیا آپ نے اس زمین پر فرشتے کو دیکھا ہے ــــ ؟

سفید باشرع ریش مبارک ــــ نورانی چہرہ ــــ میانہ قد ــــ بدن پر کرتا، مغلئی پاجامہ کرتے پر صدری، صدری میں جیبی گھڑی ــــ آنکھوں پر عینک ــــ ہاتھ میں بید یا لکڑی کی چھڑی ــــ سر پر گول ٹوپی۔

معصومیت کے پیکر ــــ مرنجا مرنج ــــ خاموشی پسند ــــ اوپر کی سطح سمندر کی طرح خاموش، اور اس کی تہہ میں ذہانت، علم، عمل، تقویٰ و ورع، دیانت و امانت، اخلاص و دل سوزی، ہمدردی و شفقت کے آب دار موتی ــــ

ے کیف پیدا کر سمندر کی طرح وسعتیں، خاموشیاں، گہرائیاں

میں نے اپنے دادا مرحوم کو نہیں دیکھا، یہ ان کا سراپا ان کے بارے میں ان کے دیکھنے والوں سے سنا ہے ــــ ویسے میرے والد محترم قاری جلیل الرحمٰن صاحب میں ــــ لوگ کہتے ہیں ــــ دادا صاحب کی کافی شباہت ہے ــــ تائے ابا مرحوم مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کے خصائل و عادات میں دادا صاحب کی جھلک نمایاں تھی۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رح مہتمم دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں:-

" حضرت ممدوح دیوبند کے عثمانی شیوخ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلف اکبر ہیں، جو دارالعلوم دیوبند کے اولین اساطین، مجلس شوریٰ دارالعلوم کے طبقۂ اولیٰ کے اراکین اور حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند کے مخصوص مجلس نشین احباب میں سے تھے، نیز حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم سادس دارالعلوم دیوبند کے حقیقی برادر کلاں اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علاتی بھائی ہوتے تھے حضرت کا سن ولادت ۱۲۷۵ھ اور تاریخی نام ظفر الدین ہے۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے ۱۲۹۸ھ میں تمام علوم و فنون سے فراغت حاصل کرکے درس و تدریس کے سلسلہ سے میرٹھ میں قیام فرمایا اور ایک عرصہ دراز تک تعلیمی مشاغل

کے ساتھ آپ وہاں مقیم رہے۔

چونکہ آپ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دیوبندی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم ثانی دارالعلوم دیوبند کے اجل خلفاء میں سے تھے اسلئے میرٹھ کے تدریسی قیام کے دوران میں بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی جاری رہا اور کتنے ہی سعید الارواح آپ کے انفاس طیبہ سے مستفید ہوکر اپنی مراد کو پہنچے۔

۱۳۰۹ھ میں آپ کو میرٹھ سے دارالعلوم میں بلایا گیا اور آپ نیابت اہتمام کے عہدے پر فائز ہوئے، مہتمم کی عدم موجودگی اور غیبت کے زمانہ میں آپ ہی اہتمام کے اختیارات استعمال فرماتے تھے[1]"

خلاصہ یہ کہ،

۱ مفتی عزیز الرحمٰن کا سن ولادت ۱۲۷۵ھ — تاریخی نام ظفر الدین ہے۔

۲ ۱۲۹۸ھ میں تعلیم سے فارغ ہوئے۔ علم حدیث و فقہ کی مہارت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں رہ کر حاصل کی۔ تربیت سلوک و احسان مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی اور ان کے جانشین و خلیفہ ہوئے۔

۳ اس کے بعد ۱۳۰۸ھ تک تقریباً دس سال میرٹھ میں درس و تدریس اور مخلوقِ خدا کی تربیتِ روحانی کا سلسلہ رہا۔

۴ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ میں دارالعلوم میں بلایا گیا، اور نائب مہتمم ہوئے۔

منصب افتاء کی اہمیت

علمی سلسلوں میں سب سے مشکل اور اہم مفتی کا کام ہے — شریعت کے احکام پوری زندگی پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ہر شخص کے حالات الگ ہیں، وقت کے نت نئے تقاضے ہیں، ان کا شریعت کی روشنی میں حل پیش کرنے کے لئے علم کے علاوہ ایک خاص "فقیہانہ نظر" چاہیئے، یہ فقیہانہ نظر اور بصیرت اللہ کی خاص رحمت سے کسی کسی کو ملتی ہے — اس لئے دینی مدرسوں اور فتویٰ صادر کرنے والے اداروں میں مفتی کے لئے شخصیت کا انتخاب نہایت پیچیدہ مسئلہ سمجھا گیا ہے۔

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم جلد اول صفحہ ۳۶۔

۲۔ تفقہ فی الدین

فقہی مہارت

افتاء کے لئے نامزدگی

حکیم الاسلام تحریر فرماتے ہیں۔

"دارالعلوم دیوبند جیسے علمی مرکز کے دارالافتاء کے لئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جس میں خود بھی مرکز بن جانے کی صلاحیتیں موجود ہوں اور علم وتفقہ کی امتیازی استعداد کے ساتھ صلاح وتقویٰ اور برگزیدگی کی شانیں اس میں موجود ہوں۔

چنانچہ قیام دارالافتاء کے منصوبے کے ساتھ یہاں کے اکابر کو پہلی فکر منصبِ افتاء اور خصوصیت کے ساتھ دارالعلوم جیسے مقدس ادارہ کے دارالافتاء کے شایان شان مفتی کے انتخاب کی ہوئی جس کے مضبوط کاندھوں پر اس عظیم ترین منصب اور وزن دار ادارہ کا بار رکھا جائے۔

دارالعلوم کی جاذبیت اور مقبولیت کا کرشمہ ظاہر ہوا، اور ایک ایسی شخصیت کا انتخاب عمل میں آگیا جو گویا ازل سے اس عہدہ ہی کے لئے پیدا کی گئی تھی اور یہ انتہائی ذمہ داری اس ذات کے لئے اور وہ ذات اس ذمہ داری کے لئے منجانب اللہ موزوں اور منتخب کی جا چکی تھی[۱]

حضرت والا آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:۔

۱۳۱۰ھ میں حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ سرپرست ثانی دارالعلوم دیوبند کی تجویز سے دارالافتاء کے لئے باضابطہ عہدۂ افتاء تجویز ہوا اور حضرت اقدس نے اپنی فراستِ باطنی سے وہ تمام جوہر جو ایک ذمہ دار مفتی میں درکار ہیں حضرت مفتی اعظم میں دیکھ کر آپ کو عہدۂ افتاء کے لئے نامزد فرمایا۔ اسلئے حضرت مفتی اعظم دارالعلوم کے مفتی ہی نہیں بلکہ یہاں کے عہدۂ افتاء کا نقطۂ اول بھی ہیں، جس کا آغاز ہی حضرت ممدوح کی ذات گرامی سے کیا گیا۔ آپ یہاں کے قصر افتاء کے لئے خشت اول ثابت ہوئے جس پر آگے کی تعمیر کھڑی ہوئی[۱]

○ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں آپ کی کارکردگی کی مدت ۱۳۱۰ھ سے ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۸ء تک چھتیس (۳۶) سال ہے۔

---

[۱] فتاویٰ دارالعلوم جلد اول ص ۳۴۔ [۱] فتاویٰ دارالعلوم جلد اول ص ۳۶

فتاوے کی تعداد

۹؍۱۰؍ ذی قعدہ ۱۳۱۰ھ سے لیکر ۲۱؍ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ تک تقریباً بیس سال کی مدت ایسی ہے کہ جسمیں فتووں کی نقلیں رکھنے کا کوئی دستور نہیں رہا —— ۱۳۳۰ھ سے یہ نظام قائم کیا گیا کہ فتووں کی نقلیں رکھی جائیں —— مگر اس مدت کے بھی بعض سال ایسے ہیں کہ ان میں سلسلۂ نقول فتاوی دستیاب نہ ہو سکے —— البتہ جو نقلیں دستیاب ہو سکیں ان کی تعداد ۳۷۵۶۱ ہے —— یہ تعداد سوال کرنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے ہے یعنی اتنے لفافے یا کارڈ موصول ہوئے باقی کوئی کارڈ یا لفافہ ایسا نہیں ہوتا جس میں کئی کئی سوالات نہ ہوں —— اگر اوسطاً ہر لفافے میں تین سوالات مان لئے جائیں تو پندرہ سال کے فتووں کی تعداد جن کا ریکارڈ موجود ہے ایک لاکھ بارہ ہزار چھ سو تراسی ہو جاتی ہے۔

تفصیل فتاویٰ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند۔

از ۲۲؍ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ تا ۸؍ رجب ۱۳۴۶ھ ۱۵ سال ۸ ماہ۔

۱۳۲۹ھ	۳۰۲
۱۳۳۰ھ	۱۷۱۹
از ۴؍ رجب تا ختم ۱۳۳۲ھ	۸۴۵
۱۳۳۴ھ	۱۹۴۳
۱۳۳۵ھ	۱۹۹۴
۱۳۳۶ھ	۲۱۲۶
۱۳۳۷ھ	۲۸۶۳
۱۳۳۸ھ	۲۳۴۸
۱۳۳۹ھ	۲۹۹۸
۱۳۴۰ھ	۲۹۵۰
۱۳۴۱ھ	۲۸۹۲
۱۳۴۲ھ	۳۲۰۱
۱۳۴۳ھ تا ۱۲؍ ذیقعدہ	۲۸۸۶
۱۳۴۵ھ	۳۶۳۶
۱۳۴۶ھ تا ۸؍ رجب	۱۷۲۱

کل میزان ۳۷،۵۶۱ سینتیس ہزار پانچسو اکسٹھ

یہ صرف پندرہ سال کے فتووں کی وہ تعداد ہے جو سوال کرنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے ہے، سوالات کی گنتی اس سے کہیں زیادہ ہے. باقی بائیس سال کی خدمات کا ذخیرہ سطح کاغذ پر نہیں

ملتا ــــ اگر مذکورہ نقشے کو دیکھ کر چالیس سال کا ایک سرسری اندازہ لگایا جائے تو کم وبیش ڈھائی تین لاکھ فتوے ہونے چاہئیں۔

عالم اسلامی کی دینی و شرعی رہنمائی کے لئے یہ تعداد ایک مفتی کے فضائل ومناقب کیلئے کم نہیں ہے۔

مہارت

فتووں کی اتنی بڑی تعداد کے ساتھ فتوے میں آپکی مہارت کا کیا عالم تھا ــــ حکیم الاسلام کے الفاظ میں:

"بڑے بڑے اہم فتاویٰ جن کو مرتب کرنے میں اگر آج کے مفتی اور ماہر علماء مشغول ہوں تو مراجعت کتب کے بعد بھی شاید دنوں اور ہفتوں کی سوچ بچار کے بعد بھی فتوی کا وہ سہل عنوان اختیار نہ کر سکیں گے جو حضرت ممدوح قلم برداشتہ اس طرح بے تکلف لکھ جاتے تھے جیسے روزمرہ کی معمولی باتیں ڈائری میں لکھ دی جاتی ہیں۔

چالیس سال آپ نے دارالعلوم کے دارالافتاء کی خدماتِ جلیلہ انجام دیں اور اس دور میں سینکڑوں ایسے اہم اور مشکل فتاویٰ بھی سپردِ قلم فرمائے جو نہ صرف فتویٰ بلکہ معرکۃ الآراء مہمات میں محاکمہ کی حیثیت رکھتے تھے اور صرف چند لفظوں میں۔

کوئی مسئلہ جب عقدہ لاینحل ہو جاتا تھا اور علماءِ وقت آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے تو آپ کا جواب آپ کی خداداد علمی بصیرت اور تفقہ فی الدین کے سبب قاطعِ شک وشبہات ہوتا تھا بلکہ عموماً ایسے مسائل میں آپ کا اسم گرامی سامنے آجانا ہی علمائے عصر کے لئے تسلی وطمانینت کا باعث ہوتا تھا[1]"

حکیم الاسلام فرماتے ہیں:۔

"جماعت دیوبند میں مفتیان ہند کے استاذ و مربی تھے اور آپکی تعلیم وتربیت اور آپ کے فتاویٰ کی روشنی میں کتنوں ہی کو مفتی بننے کی سعادت میسر آئی[2]"

طرزِ افتاء

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مدلل ومکمل کے فاضل مرتب مولانا ظفیر الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد اول ص ۴۷ [2] ایضاً ص ۳۵

تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت مفتی علام قدس سرہٗ ایک طرف عارف باللہ صاف باطن تھے، اور دوسری طرف علوم دینیہ فقہیہ میں رسوخ تامہ اور ملکۂ راسخہ کے مالک تھے، آپ کے دورِ افتاء کے کم وبیش سوا لاکھ مسائل جن کے جوابات آپ نے لکھے ہیں، انھیں خاکسار نے بار بار بغور پڑھا ہے اور مختلف نقطۂ نظر سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آپ کا اندازِ فکر سلجھا ہوا صاف ستھرا اور پختہ تھا، کہیں کسی مسئلہ میں آپ تذبذب کی راہ اختیار نہیں کرتے بلکہ مسائل کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں اور جو جوابات تحریر فرماتے ہیں وہ ہر پہلو سے ٹھوس اور مکمل ہیں، کمال یہ ہے کہ دماغ وحافظہ کبھی خیانت نہیں کرتا۔ ذہن جب جاتا ہے تو صحت ہی کی طرف، یہی وجہ ہے کہ جوابات بے جا طول اور تکلیف دہ اختصار سے پاک ہیں۔ اندازِ بیان سلیس اور جامع معمولی لکھا پڑھا آدمی بھی آسانی کے ساتھ آپ کا جواب سمجھ لیتا ہے کسی کو کوئی الجھن پیش نہیں آتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کا کمال یہ ہے کہ عرفِ زمانہ سے کبھی صرفِ نظر نہیں کرتے بلکہ اس پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اگر کسی مسئلہ کے دو مختلف مفتیٰ بہ پہلو ہیں تو ایسے موقعہ پر آپ سہل پہلو کو اختیار کرتے ہیں اور اسی پر فتویٰ دیتے ہیں۔ ایسی صورت ہرگز اختیار نہیں کرتے جو عوام کے لئے مشکلات پیدا کرنے والی ہو۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ آپ نے کنویں کی پاکی کے سلسلے میں تین سو ڈول نکالنے والی صورت پر فتویٰ دیا ہے اسی طرح غیر ممالک سے تجارت میں بینک کا سود جو مجبوراً ادا کرنا پڑتا ہے اور اس کے بغیر تجارت ممکن نہیں، اسے اصل قیمت میں داخل کر کے تجارت کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، حرام قرار دیکر مسلمانوں کو اس طرح کی تجارت سے محروم نہیں کیا۔

اسی طرح ان کارخانوں میں جن کے اندر عام داخلہ کی اجازت نہیں ہوتی، جمعہ کی نماز کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کی طرح "اذن عام" کے پیش نظر عدمِ جواز کا فتویٰ نہیں دیتے بلکہ ثابت کرتے ہیں کہ داخلہ ممنوع ہونے کی وجہ دوسری ہے پھر جب تعدد جمعہ پر عمل ہے تو اذن عام کی شرط کی کوئی خاص اہمیت نہیں رہ جاتی، اور شامی کی لمبی عبارت حوالہ میں درج کرتے ہیں۔

آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ سوال پڑھ کر پہلے سائل کی حیثیت ذہن میں قائم کرتے

ہیں اور پھر اسی کے مطابق جواب تحریر فرماتے ہیں ۔ ایک ہی طرح کے متعدد سوالات میں آپ پڑھیں گے کہ کوئی مختصر ہے جسمیں صرف حکم بیان کیا گیا ہے اور کوئی مفصل جس میں پوری علمی بحث ہے اور حدیث وفقہ کے متعدد حوالے، یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ سائلین کے درجہ مختلف ہیں۔ عوام کے لئے حکم بتادینا ہی کافی ہے، مگر علمار کے لئے دلائل کا فراہم کرنا بھی ضروری ہے ۔

اسی طرح فتویٰ ہمیشہ مفتیٰ بہ قول پر دیا کرتے تھے ۔ بڑے سے بڑا عالم بھی اس کے خلاف اپنا رجحان ظاہر کرتا ہے تو اسکی پرواہ نہیں کرتے جیسے تشہد میں" اشارہ بالسبابہ" کا مسئلہ اس میں حضرت مجدد الف ثانی رح نے مکتوبات میں عدم جواز لکھا ہے مگر اسے آپ تسلیم نہیں کرتے اور مجدد صاحب قدس سرہٗ کے قول کی توجیہ کرتے ہیں ۔ یا بعض سوال میں کوئی مستفتی حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نام لیکر لکھتا ہے کہ انھوں نے ایسا لکھا ہے، آپ جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہم امام ابوحنیفہ رح کے مقلد ہیں، یا اسی طرح تراویح میں ابن الہمامؒ کے رجحان کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ۔

اگر کوئی کسی حکم کی علت دریافت کرتا ہے اور وہ عوام میں سے ہے تو اسے صرف اتنا لکھ کر خاموش کر دیتے ہیں کہ خدا اور رسول کا ایسا ہی حکم ہے ۔ لیکن اگر کوئی عالم پوچھتا ہے تو اسے علمی انداز میں حکم کی روح سمجھانے کی سعی کرتے ہیں۔" (فتاویٰ دارالعلوم جلد اول ص ۱۲۲)

حضرت مولانا سید محمد عقیل صاحب بی، ایس، سی علیگ حال مقیم مدینہ منورہ حضرت مفتی علام کے بارے میں ایک مضمون میں رقم طراز ہیں ۔

" علم حدیث وفقہ پر قدرت نے آپ کو غیر معمولی دسترس عطا فرمائی تھی ۔ حالات حاضرہ میں مشکل جزئیات کو آپ نے ایسے سہل الوصول انداز میں حل کیا کہ آپ کے فتاویٰ نہ صرف ہندوستان بلکہ بعض بیرونی ممالک میں بھی مقبولِ خاص و عام ہوگئے اور ان فتاویٰ کو حرف آخر اور سند کے طور پر استعمال کیا جانے لگا ۔ فتاویٰ کا انداز بیان سادہ اور سلیس ہے ۔ ہر ہر لفظ گہری حقیقت شناسی کا آئینہ دار ہے ۔ بے محل عبارت آرائی اور لفاظی سے کامل اجتناب برتا گیا ہے اور احکام شرعیہ کے اظہار میں وسعت اور سہولت کے جائز پہلوؤں کی پوری رعایت کی گئی ہے ۔ اس مجموعہ کو غور سے پڑھیئے تو آپ کو اس اعتراف کا ایک نیا اسلوب ہاتھ آجائیگا کہ فقہ اسلامی بلاقید زمانہ ہر ملک وقوم کے لئے ایک منصفانہ اور متوازن لائحہ عمل پیش

کرتا ہے اور بنی نوع انسان کے لئے بے مثال افادیت کا حامل ہے۔ بہ الفاظ دیگر آپ یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ احکامِ شرعیہ صحیح فطرتِ انسانی سے اس قدر مطابقت رکھتے ہیں کہ گویا انسان ان کے لئے بنا ہے اور وہ انسان کے لئے بنے ہیں۔ یہ ثمرہ ہے اس بے بدل فہم و ادراک کا جو حضرت ممدوح کو فقہ کے اصلی مطالب بلکہ اشارات تک میں حاصل تھا چنانچہ آپ افتا رکی خدمت بے تکلف اور پورے اعتماد کے ساتھ سفر و حضر میں یکساں انجام دیتے تھے۔" (ماہنامہ دارالسلام مالیرکوٹلہ۔ مئی، جون ۱۹۰۸ء ص ۹)

حاصل یہ ہے کہ:۔

① مفتی علام ۱۳۱۰ھ سے ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء تک مسلسل چھتیس سال دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی رہے۔

② چھتیس سال کے عرصے میں ایک اندازے کے مطابق ڈھائی تین لاکھ کے قریب فتوے آپ کے قلم سے صادر ہوئے۔

③ فتاویٰ میں آپکی مہارت مسلمہ تھی۔ بڑے بڑے مسئلے قلم برداشتہ حل فرماتے تھے۔

④ فتاویٰ میں آپ نے ایک اسلوب اختیار کیا، جیسی مسئلہ واضح ہوتا تھا —— مفتیٰ بہ قول اختیار فرماتے تھے —— سہل صورت اختیار کرتے تھے —— حق بات پورے اعتماد سے فرماتے تھے اور اس میں کسی بڑے سے بڑی شخصیت سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔

علمی ذخیرہ

○ آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ پہلے حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب نے "عزیز الفتاویٰ" کے نام سے شائع فرمایا۔ ماہنامہ القاسم اور ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند میں بھی آپ کے فتوے شائع ہوتے رہے ۱۳۶۷ھ سے دارالعلوم دیوبند نے باقاعدہ ایک عملہ کے ذریعہ حضرت مفتی علام کے فتاویٰ کی ترتیب کا سلسلہ شروع کیا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

" ۱۳۶۷ھ لکھنؤ کے ایک سفر کے دوران مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ و ممبر مجلس شوریٰ دارالعلوم کی اتفاقی معیت ریل میں ہو گئی اور ممدوح نے حسن اتفاق سے اس تڑپ کا اظہار فرمایا جو احقر کے دل میں پہلے سے موجزن تھی۔ دو رائیں مجتمع ہونے سے قدرتی طور پر اصل رائے اور جذبہ میں قوت پیدا ہو گئی۔ احقر

نے اسی تفصیل سے یہ رائے بطور استشارہ اس دور کے شیخ الافتاء حضرت مولانا اعزاز علی صاحب مرحوم کے سامنے رکھی آپ نے نہ صرف اس رائے سے اتفاق ہی فرمایا بلکہ اسے ایک الہامی تجویز بتلا کر میری کافی حوصلہ افزائی فرمائی جس سے قوت رائے کے ساتھ اس بارے میں عزم عمل بھی پیدا ہو گیا اور احقر نے ایک باضابطہ تجویز دارالافتاء میں بھیج کر ترتیب فتاویٰ کا کام شروع کرا دیا۔

الحمدللہ کہ تھوڑی ہی مدت کے بعد ترتیب فتاویٰ کا ایک معتد بہ ذخیرہ بطور نمونہ احقر کے سامنے لے آیا گیا۔ عمل کا ایک نمونہ سامنے آجانے پر احقر نے اس خیال کو مجلس شوریٰ دارالعلوم کے سامنے رکھا۔ مجلس نے کافی حوصلہ افزائی کے ساتھ طے کیا کہ اس ذخیرۂ فتاویٰ کی مزید ترتیب اور تفصیل کے لئے ایک مستقل شعبہ ترتیب فتاویٰ قائم کیا جائے اور ایک مستقل مرتب فتاویٰ کی منظوری دی[1]"

حسن اتفاق دیکھیے کہ احقر کا اولین تعلق دارالعلوم کی خدمت کا اسی ترتیب فتاویٰ کے شعبہ سے ہوا اور احقر کچھ عرصہ اس شعبہ میں کام کرتا رہا اس کے بعد تدریس میں منتقل کر دیا گیا۔

○ آپ کی علمی باقیات میں تفسیر معالم التنزیل کا ملخص اردو ترجمہ ہے جو اردو ترجمۂ قرآن کے ساتھ مطبع باغ کلام نور آگرہ سے شائع ہوا تھا۔ اس کا پورا نام ہے "منح الجلیل فی بیان ما فی معالم التنزیل"

○ ترجمۂ تفسیر جلالین۔

○ آپ کے مختلف مضامین کا ایک خاصا ذخیرہ ماہنامہ القاسم اور الرشید میں موجود ہے۔ اس میں دو طویل مضمون خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کے مجموعی صفحات پانچ سو کے قریب ہیں۔ ایک مضمون "شریعت متکفل جمیع سعادات" کے عنوان سے ہے، دوسرا مضمون "مبدا و معاد" کے عنوان سے، یہ دونوں مضمون حضرت مجدد الف ثانی رح کے مکتوبات کی روشنی میں ان کی تلخیص اور تشریحی نوٹ کے ساتھ ہیں۔

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم جلد اول، صفحہ ۵۹

۳ معرفتِ حق

حضرت مفتی علام رحمہ اللہ کی حیات مبارکہ کا ایک رُخ جس کا تعلق علم ظاہری، علم شریعت، احکام شریعت اور فقہ میں ان کی مہارت سے ہے ایک حد تک اس کا ایک خاکہ سا آپکے سامنے آچکا ہے ــــــ ان کی زندگی کا ایک انتہائی روشن رخ وہ ہے جسکو طریقت، علم باطن، تصوف اور حدیث کی زبان میں احسان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے ــــــ احسان یا تصوف شریعت سے ہٹ کر کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ یہ شریعت کی تکمیل اور اس کا ارتقائی درجہ ہے ــــــ شریعت کے احکام پر عمل کرنے میں جب خلوص کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو اس کو احسان سے تعبیر کرتے ہیں، قرآن مجید میں متعدد جگہ یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (بقرہ۔ ۱۱۲)	بلکہ واقعی بات تو یہ ہے کہ جس نے اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور وہ نیکوکار بھی ہے تو اس کے لئے اس کا اجر اس کے پروردگار کے پاس ہے۔
وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗ اِلَى اللّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ (لقمان۔ ۲۲)	اور جو اللہ کے آگے اپنا سر تسلیم خم کرے اور وہ نیکوکار بھی ہو (تو اس نے مضبوط رسی تھام لی۔)
لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (مائدہ۔ ۹۳)	جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کئے تو جو کچھ ممانعت سے پہلے کھا پی چکے اس میں ان پر کسی طرح کا گناہ نہیں جبکہ انھوں نے حرام چیزوں سے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کئے پھر حرام چیزوں سے پرہیز کیا اور اچھا پرہیز کیا جیسا کرنے کا حق ہے اور اللہ خلوص دل سے نیک کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (یونس۔ ۲۶)	جن لوگوں نے دنیا میں بھلائی کی ان کیلئے آخرت میں بھی ویسی ہی بھلائی ہے اور کچھ بڑھ کر بھی۔

حدیث جبرئیل میں سب سے اہم بحث ہی احسان کی ہے۔

قَالَ — فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ
قَالَ — اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّكَ
تَرَاهُ ، فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ
يَرَاكَ
(راوی حضرت عمرؓ، مسلم کتاب الایمان)

اب یہ بتائیے احسان کیا چیز ہے ؟
آپؐ نے ارشاد فرمایا اللہ کی اس توجہ سے عبادت کرنا گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، کیونکہ تم اگرچہ اسکو حقیقتاً نہیں دیکھتے مگر وہ تو تمہیں حقیقتاً دیکھتا ہے۔ (پھر اس خشوع سے عبادت کرنی چاہیئے جتنا کہ اس علم صحیح کا اقتضاء ہے)

شریعت کا اصل مقصد توحید و رسالت کا صرف علم حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ ان علوم کو حالات اور حالات سے مقامات کی حد تک پہنچانا ہے۔ علوم جب تک حالات اور وجدانیات کی شکل اختیار نہیں کرتے اس وقت تک طبیعت میں نہ تو جذبۂ عمل پیدا ہو سکتا ہے اور نہ عمل میں کوئی ذوق نصیب ہو سکتا ہے۔ انسانی دماغ ان کو صرف ایک علمی تحقیق کی نظر سے دیکھا کرتا ہے اور یہ باور نہیں کر سکتا کہ یہ تمام علوم درحقیقت عالم غائبات کے وہ عظیم الشان حقائق ہیں جو خارج میں عالم مشاہدہ سے زیادہ مستحکم طور پر موجود ہیں، اسے حق تعالیٰ کی ذات وصفات کے مسائل، تقدیر، عالم برزخ، جنت اور دوزخ کے تمام غیبی حقائق صرف خیالی نظر آتے رہتے ہیں لیکن منازل یقین طے کرتے کرتے جب وہ منزل احسان تک پہنچ جاتا ہے تو پھر جن کو وہ اوہام اور خیالات سمجھتا تھا اب وہی حقائق ثابتہ نظر آنے لگتے ہیں۔ انسان کے باطن میں جب یہ انقلاب رونما ہوتا ہے تو شریعت اسکو احسان سے تعبیر کرتی ہے ـــــ جس طرح ایک سائنسداں مسلسل تجربات کرتے کرتے جب کسی ایک نقطہ پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کو اپنی اس تحقیق پر وہ یقین میسر آجاتا ہے جو اپنی آنکھوں کے مشاہدات سے بھی کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ کی قرب ومعیت اس صفت احسان کا اثر ہوتی ہے ـــــ قرآن کریم میں متعدد جگہ اسکی طرف اشارے ملتے ہیں۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ
فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ
(بقرہ ۱۸۶)

ہمارے بندے جب ہمارے بارے میں دریافت کریں تو ان کو (سمجھا دو) کہ ہم ان کے بہت قریب ہیں۔

مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ
اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ

جب تین آدمیوں کا مشورہ ہوتا ہے تو مشورہ ان کا چوتھا اللہ ہوتا ہے اور پانچ کا مشورہ ہو تو

اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَمَا کَانُوْا (مجادلہ - ۷)	تو ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے، اور اس سے کم ہوں یا زیادہ اور کہیں بھی ہوں وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔
وَمَا تَکُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا کُنَّا عَلَیْکُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ (یونس - ۶۱)	اور اے پیغمبر تم کسی حال میں ہو اور قرآن کی کوئی سی آیت بھی لوگوں کو پڑھ کر سناتے ہو اور (اے لوگو) کوئی سا عمل بھی تم کرتے ہو ہم (ہر وقت) جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو تم کو دیکھتے رہتے ہیں۔
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ - (ق - ۱۶)	اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔
یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ (نساء - ۱۰۸)	لوگوں سے شرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نہیں شرماتے، حالانکہ جب راتوں کو (بیٹھ بیٹھ کر) ان باتوں کے مشورے کرتے ہیں جن سے اللہ راضی نہیں تو اللہ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔
وَهُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ (حدید - ۴)	اور تم کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔

مختلف حدیثوں میں بھی اس قرب و معیت کا اظہار ملتا ہے۔

○ اِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا قَامَ یُصَلِّیْ فَاِنَّمَا یُنَاجِیْ رَبَّهٗ۔	جب تم میں سے کوئی شخص نماز ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے اسوقت وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے۔
او — وربه بینه وبین القبلة۔ ○	یا۔ آپ نے یہ فرمایا کہ اس کا پروردگار اسکے اور اس کے قبلہ کے درمیان جلوہ گر ہوتا ہے۔
○ اِنَّ اللّٰهَ قِبَلَ وَجْهِهٖ اِذَا صَلّٰى	جب مصلی نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اسکے منھ کیجانب جلوہ گر ہوتی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَنصِبُ وَجْهَهٗ لِوَجْهِ عَبْدِهٖ فِي صَلَاتِهٖ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ

جب تک بندہ نماز میں اِدھر اُدھر نہیں دیکھتا اللہ تعالیٰ اسکی طرف متوجہ رہتا ہے۔

قرب و معیت کی یہ تمام داستانیں بندے کے اسی حضور و یقین کے کرشمے ہیں جس کے پیدا کرنے کا وہ بہرحال مامور ہے۔ اس کا مقصد دلائل و براہین کو یکسر معطل کرنے اور دنیا کے اس سارے نظام کو جو ان دلائل پر ہی قائم ہے درہم برہم کرنا نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جہاں تک صفت احسان کا دخل ہے وہ مشاہدہ کا عالم ہے جس کی پہلی کڑی عمل ہے۔ عمل سے عقیدے راسخ ہوتے ہیں تو اسی پر صفت احسان کی بنیاد قائم ہوتی ہے اور انسان کا حقیقی ارتقاء یہی ہے۔

تفقہ فی الدین میں امتیاز کے ساتھ معرفتِ حق طریقت و احسان کی یہی نعمت تھی جس کے بلند مرتبہ پر حضرت ممدوح فائز تھے۔ مولانا سید عقیل احمد صاحب مقیم مدینہ منورہ لکھتے ہیں:۔

"آپ طریقت اور علم باطن میں بھی یگانۂ روزگار تھے۔ چنانچہ آپ کے ہم عصر مشائخ کاملین آپکی صحیح منزلت کو پہچانتے ہوئے تقریر و تحریر میں آپ کے مراتب عُلیہ کے معترف تھے اور آپ کو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی بزرگ تر ہستی گردانتے تھے۔ اگرچہ یہ دیگر حضرات جن میں سے بعض حضرات، ممدوح کے خصوصی احباب میں سے تھے، اور طریقہ چشتیہ سے وابستہ تھے۔ ایک ادنیٰ طالب علم بھی آپ کو دیکھ کر یہ بول اٹھتا تھا کہ آپ واقعی درویش کامل اور مقبول بارگاہ الٰہی ہیں۔ آپ کی حیاتِ مبارک کی نمایاں خصوصیات تقویٰ، عبادت، ریاضت اور خدمت خلق تھیں۔ باعتبار ولایت کے آپ ابراہیم المشرب تھے چنانچہ آپ کی گفتار و رفتار سے ہر لحظہ صفتِ حلم کا مظاہرہ ہوتا تھا، جیسا کہ ارشاد باری ہے" إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ " آپ اکثر خاموش رہتے تھے اور امور دینی میں مشغول رہتے تھے اور طبعًا کم سخن تھے گفتگو نہایت نرم اور آہستہ اور صرف بقدر ضرورت فرماتے تھے۔ بسبب خشیت الٰہی پیر پھیلا کر استراحت نہیں فرماتے حقیقی کسر نفسی آپ کا شیوۂ خاص تھا۔ بلکہ طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ یہ اس قسم کے اخلاق فاضلہ تھے جو صرف معرفتِ تام اور فنائے حقیقی کے بعد حاصل ہوتے ہیں یعنی یہ وہ مقام ہے جہاں مدح و مذمت، تحقیر و اکرام میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ حضرت ممدوح روحانیت کے اس نادر مقام کے مظہر اتم تھے اور اس جہت سے بھی اپنے معاصرین میں بالکل ممتاز اور یگانہ تھے۔" (دارالسلام مئی جون ۱۹۰ء صہ)

دنیا کی جائز مصروفیات کو دینی ترقی کا زینہ بنانا، حضرت مفتی صاحب کی زندگی کا بڑا اہم پہلو ہے۔

مولانا عقیل صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"حضرت ممدوح ذاکرین وطالبین کو جائز مشاغل دنیاوی سے منع نہیں فرماتے تھے بشرطیکہ مشغولی ذکر ومراقبہ کچھ نہ کچھ روزانہ رکھی جائے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ ذاکر کے لئے جائز کاروبار میں معروفیت باعث ترقی ہونی چاہئیے نہ کہ باعثِ تنزل۔ مطلب عالی یہ تھا کہ ذاکر چونکہ قلباً غیر اللہ سے متنفر ہوتا ہے اور جب چاروناچار غیر اللہ سے سابقہ ہوتا ہے تو ذاکر کی توجہ الی اللہ خود بخود بڑھ جاتی ہے تاکہ غیر اللہ کو قلب میں داخل ہونے سے باز رکھا جائے۔ حالت بیچارگی میں اس کی یہ کوشش حق تعالیٰ کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہے اور یہی سبب باطنی ترقی کا بن جاتا ہے یہاں تک کہ اندیشۂ فراق مبدل ہوکر نویدِ وصال سے متبدل ہوجاتا ہے اور ظاہر اور باطن نہایت اطمینان سے اپنا اپنا کام کرتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے مخل نہیں ہوتے۔" رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ [1]

آپ کی زندگی اور تربیت کا روشن رخ ہے کہ ہر قسم کی امتیازی شان سے پرہیز کیا جائے۔ مولانا عقیل صاحب رقم طراز ہیں:۔

نیز حضرت ممدوح کی تعلیم خاص کا ایک ضروری جزو یہ تھا کہ طالبین ہر قسم کی امتیازی شان اختیار کرنے سے کامل اجتناب رکھیں اور باعتبار ظاہر کے ہر طرح پر عامۃ المسلمین میں ملے جلے رہیں۔ اس طرح پر ریا کا اندیشہ باقی نہیں رہتا اور عبادات میں وہ اخلاص حاصل ہوتا ہے جو کسی اور طرح پر نہیں ہوسکتا۔ جو متوسلین محفل شریف میں حاضر باش ہوتے تھے ان کے لئے صرف خاموشی سے بیٹھا رہنا کافی سمجھا جاتا تھا۔ معیت حضرت شیخ میں نہ مراقبہ مطلوب تھا نہ سرنگوں ہونا، اور یہیں سے حضرات اکابر نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ تعبیرات کی مشق خود بخود ہونے لگتی تھی جیسا کہ سلطان الاولیاء حضرت خواجہ جہاں عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال مبارک میں مذکور ہے یعنی خلوت درانجمن اور سفر در وطن وغیرہ۔ انہی خاموش محفلوں سے جب یہ خدام جاتے تھے تو اپنے آپ کو سراپا سوختہ اور وارفتہ محسوس کرتے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں طبیعت پر شوق ریاضت اور مجاہدہ کا غلبہ ہوجاتا تھا رات بھر جاگ کر عبادت کرلینا آسان ہوجاتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض خدام مضطر ہوکر خدمت اقدس میں عرض کردیتے تھے کہ ان کو سخت قسم کا مجاہدہ بتادیا جائے، تو ایک موقع پر حضرت ممدوح

[1] ماہنامہ دارالسلام مئی جون ۱۹۸۸ء ص ۹

نے اس قسم کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہمارے ہاں تو اصل مجاہدہ اتباعِ سنت ہے اور زیادہ سے زیادہ چلّہ کرلیا جائے۔ حضرت ممدوح کا فیضِ صحبت عقیدتمندوں کے لئے کیمیا اور اکسیر کا حکم رکھتا تھا۔ کیونکہ نہایت تیزی کے ساتھ کمالاتِ نسبت شریفہ کا انعکاس طالب کے باطن میں ہوتا تھا اور محنت اور حیثیت سے کہیں زیادہ فتوحاتِ روحانی کا موجب ہوتا تھا۔ اسی فیض صحبت کی بدولت اکثر متوسلین کو راہِ سلوک میں کشف اور وجدان دونوں کی تربیت حاصل ہوتی تھی۔"

اتباع شریعت اور سنت پر عمل کی تاکید فرماتے تھے۔ مولانا عقیل صاحب کا بیان ہے۔

"حضرت ممدوح کا مسلکِ خاص بدعات سے کلی اجتناب اور اتباعِ شریعت اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ اپنی تقریر وتحریر میں اکثر اسی پر زور دیتے تھے اور خدام کو تاکید تھی کہ اسی کو حصولِ مقاماتِ تصوف کا لازمی ذریعہ تصور کریں چنانچہ آپ کے متوسلین کو یہ نعمت بھی عطا ہوئی تھی کہ خالص اعمالِ شریعت کی برکت کا ورود ان پر ہوتا تھا جو اس بات میں مزید رغبت اور ہمت افزائی کا باعث ہوتا تھا بلکہ ناممکن تھا کہ جو طالب اس ذائقہ سے وقتاً فوقتاً آشنا ہوتا رہے پھر وہ فرائض ونوافلِ مسنونہ کا دلدادہ نہ ہوجائے چنانچہ جو خدام نماز باجماعت یا دیگر اعمالِ مسنونہ کی برکاتِ محسوسہ کا احوال عرض کرتے اس سے حضرت ممدوح نہایت مسرور ہوتے تھے۔ ایک خادم نے عرض کیا بعد نماز جماعت اس کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا اس کی آنکھوں میں برف بھرا ہوا ہے تو فرطِ مسرت سے ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہوگئے اور اس کو محمدی المشرب ہونے کی بشارت دی کیونکہ یہ کیفیت غریبہ حدیث شریف کے اس مضمون کی غمازی کرتی ہے:۔ وَقُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ۔" (دارالسلام مئی جون ۹۰ ص ۱۰)

معرفتِ حق، احسان، سلوک، اتباعِ سنت کے جذبے نے آپ میں اعلیٰ درجہ کے اخلاق پیدا کردئیے تھے دنیا اور دنیا کے تعلقات ان کی نظر میں ایک ذریعہ ضرور تھے لیکن اصل پیشِ نظر' آخرت رہتی تھی۔ فانی کے مقابلے میں لافانی کی یہ طلب کس درجہ تھی ـــــ حکیم الاسلام کے الفاظ میں:۔

"میرے خسر مولوی محمود صاحب مرحوم رامپوری اپنے زمانۂ طالب علمی میں چھوٹی مسجد میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کے پاس ہی ایک حجرے میں رہتے تھے اور حضرت کی زندگی کے اکثر معمولات ان کی نگاہوں میں آتے رہتے تھے۔ فرماتے تھے کہ" میں نے کبھی بھی حضرت ممدوح کو پیر پھیلا کر لیٹے ہوئے یا سوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ہمیشہ سکڑ کر اور گھٹنے پیٹ میں دیکر لیٹتے اور سوتے

تھے، پہلے تو میں اسے اتفاقات پر محمول کرتا رہا مگر جب مسلسل یہی طرزِ عمل دیکھا تو میں نے سمجھا کہ یہ اتفاقی بات نہیں بلکہ ارادی فعل ہے تو ایک دن میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ پیر پھیلا کر کبھی نہیں سوتے، فرمایا کہ "دنیا پیر پھیلا کر سونے کی جگہ نہیں ہے اس کا مقام قبر ہے جہاں آدمی پیر پھیلا کر سوئے گا۔" سبحان اللہ یہ کلام اسی کی زبان سے ادا ہو سکتا ہے جسے ہر وقت آخرت مستحضر اور عظمت خداوندی اسکے دل پر محیط اور چھائی ہوئی ہو۔ دوسرے لفظوں میں جو دنیا کی لذت و عیش کو دل سے نکال چکا ہے اور صرف اللہ کے سچے وعدوں پر شوقِ آخرت کو اپنے دل و دماغ کا تکیہ بنائے ہوئے ہو۔ ایک دو دن ایسا کر لینا ممکن ہے لیکن اس پر عمر گذارنا استقامت کی نادر ترین مثال ہے۔[لے]"

حکیم الاسلام رہ اپنا شنیدہ بیان فرماتے ہیں۔

"غم آخرت کا قلب پر تسلط یہ تھا کہ جلالین شریف کے درس میں ایک دن خود ہی یہ واقعہ ارشاد فرمایا کہ "میں ایک شب سونے کے لئے لیٹا تو اچانک قلب میں یہ اشکال وارد ہوا کہ قرآن کریم نے تو یہ دعویٰ فرمایا ہے کہ ——

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ — انسان کے کام اسی کی سعی آئے گی

جس کا واضح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آخرت میں کسی کے لئے غیر کی سعی کارآمد نہ ہوگی اور حدیث نبوی میں ایصال ثواب کی ترغیب آئی ہے جس سے تخفیفِ عذاب، رفعِ عقاب اور ترقیِ درجات کی صورتیں ممکن بتلائی گئی ہیں۔ نیز شفاعتِ انبیاء و صلحاء و شفاعتِ حفاظ و شہداء سے رفعِ عذاب اور نجات و ترقیِ درجات کا وعدہ کیا گیا ہے جس سے صاف نمایاں ہے کہ آخرت میں غیر کی سعی بھی کارآمد ہوگی۔ پس یہ آیت و روایت میں کھلا تعارض ہے فرمایا کہ اس کا حل سوچتا رہا مگر ذہن میں نہ آیا۔ بالآخر سوچتے سوچتے یہ خوف قلب پر طاری ہوا کہ جب آیت و روایت میں یہ تعارض ذہن میں جاگزیں ہے اور حل ذہن میں نہیں ہے تو گویا اس آیت پر میرا ایمان سست اور مضمحل ہے اور اگر اس حالت میں موت آگئی تو میں قرآن کی ایک آیت میں خلجان اور ریب کی سی کیفیت لے کر جاؤں گا۔ اور ایسی حالت کے ساتھ حق تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گا کہ قرآن کے ایک حصہ پر میرا ایمان سست اور مضمحل ہوگا تو میرا انجام کیا ہوگا اور کیا اس خاتمہ کو حسنِ خاتمہ کہا جا سکیگا۔

اس دھیان کے آتے ہی فکرِ آخرت اس شدت سے دامنگیر ہوا کہ میں اسی وقت

لے فتاویٰ دار العلوم جلد اول ص۳۲

چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا اور سیدھے گنگوہ کی راہ لی۔ مقصد یہ تھا کہ راتوں رات گنگوہ پہنچکر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ اشکال حل کر دوں کہ میرا ایمان صحیح ہو اور حسن خاتمہ کی توقع بندھے۔

حالانکہ آپ پیدل چلنے کے عادی نہ تھے اور وہ بھی گنگوہ جیسے لمبے سفر کے جو دیوبند سے بائیس کوس کے فاصلہ پر ہے یعنی تقریباً تیس میل اور وہ بھی رات کے وقت لیکن جب کہ خوفِ آخرت نفس کا حال بن چکا تھا تو اس میں وساوس کی کہاں گنجائش تھی، اس جذبہ سے عزم پیدا ہوا اور اسی عزمِ صادق سے اتنا لمبا سفر کرنے کے لئے اندھیری رات میں پیدل ہی چل کھڑے ہوئے۔ صبح صادق سے پہلے گنگوہ پہنچے۔ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ تہجد کے لئے وضو فرما رہے تھے کہ حضرت مفتی اعظم نے سلام کیا، فرمایا کون؟ عرض کیا کہ عزیز الرحمٰن فرمایا تم اس وقت کہاں؟ عرض کیا حضرت ایک علمی اشکال لیکر حاضر ہوا ہوں جس میں مبتلا ہوں۔ اور وہ یہ کہ قرآن تو نفع آخرت کو صرف اپنی ذاتی سعی میں منحصر بتلا رہا ہے جس سے غیر کی سعی کے نافع ہونے کی نفی نکل رہی ہے اور حدیث غیر کی سعی کو نافع اور موثر بتلا رہی ہے جس میں نفعِ آخرت ذاتی سعی میں منحصر نہیں رہتا جو صراحتاً قرآن کا معارض ہے تو ذہن میں اس تعارض کا حل نہیں آتا۔

حضرت نے وضو کرتے ہوئے برجستہ فرمایا کہ آیت میں سعی ایمانی مراد ہے جو آخرت میں غیر کے کارآمد نہیں ہو سکتی کہ ایمان تو کسی کا ہو اور نجات کسی کو ہو جائے اور حدیث میں سعی عملی مراد ہے، جو ایک کی دوسرے کے کام آسکتی ہے اسلئے کوئی تعارض نہیں۔

فرمایا کہ ایک دم میری آنکھ سی کھل گئی جیسے کوئی پردہ آنکھ کے سامنے سے اٹھ گیا ہو اور علم کا ایک عظیم دروازہ کھل گیا۔

بہرحال علم کا جو دروازہ ... مفتیٔ اعظم پر کھلا وہ تو ان ہی کی ذات جان سکتی تھی کہ اس دروازے کے اندر کیا کیا نوادرات پنہاں ہیں۔ غور کرنے کے قابل یہ عظیم جذبہ ہے کہ ایک جزوی مسئلہ کے ایک علمی اشکال پر اس درجہ خوفِ آخرت کا قلب پر مسلط ہو جانا کہ چارپائی پر ایک لمحہ کیلئے قرار نہ رہے اور ۳۰ میل کے لمبے اور دشوار گذار سفر کی ٹھان لیجائے اور وہ سفر بھی راتوں رات ہی شروع کر دیا جائے۔ یہ عالم آخرت سے کس درجہ قلبی لگن اور دنیائے دنی اور اس کی راحت و لذت سے کس قدر بے تعلقی اور استغناء کی نادر مثال ہے جو اکابر سلف

ہی کی تاریخوں میں مل سکتی ہے۔" (فتاویٰ دارالعلوم جلد اول ص۴۵، ۴۴، ۴۷)

معرفت حق کے اس مقام پر آپ کے اخلاق کریمانہ اس درجہ پر تھے کہ انکساری اور تواضع آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ حکیم الاسلام رح کا ارشاد ہے:۔

"مجھے یہ سعادت حاصل ہے کہ میں نے جلالین شریف، مؤطا امام مالکؒ، موطا امام محمدؒ اور طحاوی شریف حضرت اقدس سے پڑھی ہے۔ لفظ نہایت پھوکے پھوکے، گفتگو نہایت ہی دھیمی دھیمی، تقریر نہایت معصومانہ، لفظ لفظ سے رحمت و شفقت برستی تھی۔ کلمہ کلمہ سے بھولاپن، معصومیت اور سادگی ٹپکتی تھی۔ گویا ان کے دل میں کسی وقت بھی یہ تصور نہ تھا کہ میں کوئی چیز ہوں یا درس قرآن وحدیث کوئی میرا عظیم کارنامہ ہے جو مجھ سے انجام پا رہا ہے۔ یا یہ سیکڑوں شاگردوں اور مستفیدوں کا حلقہ میری کسی عظیم مقبولیت کی نشانی ہے ان خیالات سے قلب خالی اور دماغ فارغ تھا۔ سوتے جاگتے میں جس ذات کو ہر وقت یہ تصور رہتا ہو کہ دنیا نہ آرام کرنے کی جگہ ہے نہ پیر پھیلانے کی۔ اس کے قلب میں یہ خود پسندی یا خود بینی کے خیالات کیا سما سکتے تھے۔ بہرحال انھیں کبھی اس کا دھیان بھی نہیں آتا تھا کہ میں کوئی بڑی شخصیت ہوں یا مجھ سے علم وعمل کی کوئی بڑی خدمت انجام پا رہی ہے بلکہ ہر وقت جس چیز کا دھیان رہتا تھا وہ یہ تھا کہ میں نہ کوئی چیز ہوں نہ میری کوئی شخصیت ہے نہ مجھ سے کوئی خدمت بن پڑ رہی ہے۔ میں بھی منجملہ عام مسلمانوں کے ایک مسلمان ہوں اور یہ تمام علمی وعملی خدمات میرے کسی جوہر کا نتیجہ نہیں بلکہ صرف فضل خداوندی ہے جو کام کر رہا ہے۔ اسے مجھ جیسے ہزاروں بندے مل سکتے ہیں، میں اس کے بندوں میں لاشئ محض ہوں۔

اللہ اکبر! سب کچھ کر کے یہ یقین رکھنا کہ کچھ نہیں ہوں، بڑوں ہی کا کام ہے اور بڑا ہی مقام ہے۔ ملائکہ جیسی مقدس ہستیوں کا یہ مقام ہوگا کہ کمال معرفت کے باوجود قیامت کے دن پکارتے ہوں گے کہ:۔

ما عرفناك حق معرفتك — اے پروردگار ہم تجھے کما حقہ پہچان ہی نہ سکے کہ تیرا کوئی حق ادا کرتے۔

انبیاء علیہم السلام جیسی مقدس ذوات کا یہ مقام ہے کہ عمر کا ایک ایک لمحہ خالص مخلصانہ عبادت میں بسر کر کے قیامت کے دن یہی کہتے ہوں گے کہ:۔

ما عبدناك حق — اے مالک ہم تیری کوئی عبادت نہیں کر سکے

اور یا پھران برگزیدہ ہستیوں کے نائب اور وارثانِ نبوت حضرت مفتی اعظم جیسی ہستیوں کا مقام ہو سکتا ہے کہ سب کچھ کر کے دل میں کچھ کرنے کا دھیان تک نہ لائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ فنائیت و بے نفسی کی انتہا ایک ایسی ممتاز شان ہے جو ایسی ہی مقدسین کو نصیب ہو سکتی ہے۔" (فتاویٰ نورالعلوم جلد اول از صفحہ ۴۳ تا ۴۵)

باطنی سلسلہ

حضرت مفتی صاحبؒ باطنی سلسلہ "نقش بندیہ" سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے سلسلۂ مشائخ سے پہلے نقش بندیہ سلسلہ کے بارے میں حضرت مفتی صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کی شیریں زبان سے اس سلسلہ کا تذکرہ سن لیجئے:۔

نقشبندیہ

سلوک وتصوف کے سلاسل طیبہ بہت سے ہیں جن کے ذریعہ سے بزرگانِ دین نے سماج کے روحانی اور اخلاقی نکھار کی مؤثر اور بھرپور کوشش کی۔ ان میں چار سلسلے خاص طور پر زیادہ مقبول ومشہور ہیں:۔

(۱) سلسلۂ خواجگان جس کا دوسرا نام سلسلۂ نقشبندیہ اور پھر نقشبندیہ مجددیہ ہو گیا (۲) سلسلۂ قادریہ، (۳) سلسلۂ چشتیہ، (۴) سلسلہ سہروردیہ۔

○ سلسلہ قادریہ کے سربراہ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رہ ہیں۔ حضرت شیخ رہ نے اپنی زندگی ہی میں اصلاح وتربیتِ خلق کا نہایت اعلیٰ نظام قائم کر دیا تھا اور اپنے خلفاء کو دور دور تک ارشاد وتبلیغ کے لئے بھیج دیا تھا۔ ان کے وصال کے بعد اسلامی ممالک کے دور دراز گوشوں میں اس سلسلہ کی شاخیں وسیع پیمانے پر قائم ہو گئیں، ہندوستان میں سلسلۂ قادریہ کو شاہ نعمت اللہ قادری رہ نے قائم کیا۔ سید محمد غوث گیلانیؒ، شیخ عبدالقادر ثانی رہ، سید موسیٰ رہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رہ نے سلاطینِ مغلیہ کے عہد میں اس کو زیادہ وسعت دی۔ سلسلہ کے بانی چونکہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اس لئے اس کو قادریہ کہا جاتا ہے۔

○ سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد شیخ ابواسحاق شامی رہ نے قائم کی تھی لیکن اسکو پھیلانے اور غیر معمولی وسعت دینے کا کام حضرت خواجہ معین الدین چشتی رہ نے انجام دیا۔ چشت خراسان میں ہرات کے قریب ایک شہر کا

نام ہے. خواجہ ابواسحاق رح کے شیخ خواجہ دینوری رح نے ان کو ارشاد و تذکیر کے لئے چشت روانہ کر دیا جہاں ان کی پرخلوص جد و جہد سے اس عظیم الشان سلسلہ کی بنیاد پڑی اور چشت بہت جلد ایک روحانی نظام کا مرکز بن گیا. اس شہر کی نسبت سے اس سلسلہ کو سلسلۂ چشتیہ کہا جاتا ہے. اگرچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح سے قبل متعدد چشتی اکابر ہندوستان آچکے تھے لیکن اس سلسلہ کو ملک میں جاری کرنے اور پھیلانے، اس کی جڑوں کو مضبوط کرنے بلکہ اس میں، انقلابی رنگ بھرنے کا شرف حضرت خواجہ صاحب رح ہی کو حاصل ہوا حضرت خواجۂ پرتھوی راج کے عہد میں ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر کو اپنا مرکز بنا کر اصلاح و تربیت کا کام شروع کر دیا۔ حضرت خواجہ صاحب رح کا اس ملک میں تشریف لانا ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب کا پیش خیمہ تھا اس انقلاب کی حقیقی نوعیت کو سمجھنے کے لئے اس وقت کے سماجی حالات کو سامنے رکھنا چاہیئے۔

○ سلسلۂ سہروردیہ کے سب سے زیادہ مشہور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رح ہیں. انھوں نے اس سلسلہ کی ترویج بڑی حکمت سے کی تھی اور اپنی مشہور کتاب "عوارف المعارف" میں خانقاہی نظام کی مکمل تفصیل درج کر دی تھی. ہندوستان میں بھی انھوں نے اپنے بہت سے مرید بھیجے تھے لیکن جس ذات گرامی کو ہمارے ملک میں اس سلسلہ کو باقاعدہ وسعت دینے کا شرف حاصل ہوا وہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رح ہیں. انھوں نے ملتان، اوچہ اور دیگر متعدد مقامات پر سلسلۂ سہروردیہ کی خانقاہیں قائم کیں اور سلسلہ کی موثر تنظیم کی اور اصلاحِ خلق کی خدمت وسیع پیمانے پر انجام دی. شیخ شہاب الدین سہروردی کی نسبت سے اس سلسلہ کو سہروردیہ کہا جاتا ہے۔

○ سلسلۂ خواجگان کی بنیاد سب سے پہلے ترکستان میں پڑی. اس سلسلہ کے پہلے مشہور بزرگ خواجہ محمد اتا یسوی رح (وفات ۱۱۶۶ء ۵۶۲ھ) ہیں. ان کے بعد سلسلہ کا باضابطہ روحانی نظام قائم کرنے والے خواجہ عبدالخالق غجدوانی رح (وفات ۱۱۷۹ء ۵۷۵ھ) ہیں. ان دونوں بزرگوں نے سلسلۂ خواجگان کو فروغ دینے کی مسلسل جد و جہد کی لیکن تقریباً دو سو سال کے بعد اس کو وسعت دینے اور مقبولِ عام بنانے کا شرف خواجہ بہاؤالدین نقشبند (وفات ۱۳۸۹ء) کے لئے مقدر ہو چکا تھا. آپ نے سلسلے کے پورے نظام کے درو بست کا گہری نظر سے جائزہ لیا اور اس میں نئی جان ڈال دی. آپ کے دور میں سلسلۂ خواجگان کا نام نقشبندیہ ہو گیا. حضرت خواجہ سید محمد بہاؤالدین رح کمخواب بُنا کرتے تھے اور اس پر نقش بناتے تھے اس نسبت سے نقشبند کے لقب سے مشہور ہوئے اور آپ کا سلسلہ نقشبندی سلسلہ کہلایا. سلاسلِ سلوک و تصوف میں سلسلۂ خواجگان سب سے زیادہ قدیم سلسلہ ہے لیکن ہندوستان میں یہ تمام سلسلوں کے بعد پہنچا اس کو ہمارے ملک میں حضرت خواجہ باقی باللہ رح (وفات ۱۰۱۲ھ ۱۶۰۳ء) لائے. آپ کے تشریف

متاثر ہوئے۔ سلسلۂ مجددیہ کی ایک بڑی شاخ خالدیہ سلسلہ کے نام سے عراق، شام اور خاص طور سے ترکی میں بہت مقبول ہے۔ نیز آپ کے مکاتیب طیبہ براہ راست ان علاقوں میں کثرت سے پڑھے گئے جہاں کے باشندے فارسی زبان جانتے ہیں۔ اور جو خطے فارسی سے ناواقف ہیں ان کے بہت سے حصوں میں مکتوبات کا عربی ترجمہ پہنچا۔ طریقت و شریعت کا یہ آفتاب جس نے سرہند کے ایک گوشے میں بیٹھ کر ہزاروں دلوں کو مسخر کیا تھا ۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ کو آنکھوں سے چھپ گیا۔ روضۂ مبارک سرہند شریف میں ہی ہے جس کی زیارت کے لئے ہندوستان کے علاوہ دوسرے ملکوں افغانستان وغیرہ سے بھی بکثرت زائرین آتے ہیں اور فیض روحانی حاصل کرتے ہیں۔ مجدد صاحبؒ کے بعد سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے پھیلانے والے ان کے بہت سے خلفاء ہیں جنھوں نے مختلف علاقوں میں رہ کر سلسلہ کی خدمت کی۔ خاص طور پر آپ کے تیسرے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ (ولادت ۱۰۰۷ھ وفات ۱۰۷۹ھ) خواجہ صاحب اپنے والد بزرگوار کے علوم اور اسرار و معارف کے سب سے بڑے امین تھے۔ آپ کے دم قدم سے یہ سلسلہ اسی شان سے قائم رہا۔ خواجہ محمد معصوم رح کے خلیفہ ان کے صاحبزادے شیخ سیف الدین ہوئے۔ ان کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر اور ان کے دو لڑکے محمد اعظم اور محمد معظم شیخ سے بیعت تھے۔ شیخ سیف الدین کے بعد سلسلہ کی ترتیب یہ ہے کہ ان کے خلیفہ سید نور محمد بدایونی رح ہوئے اور ان کے خلیفہ مرزا مظہر جان جاناں رح۔ مرزا صاحبؒ کا شمار اپنے وقت کے کاملین میں ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ جیسے امام وقت نے انکو قیّم طریقۂ احمدیہ کہا ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ جن بزرگوں نے ہندوستان میں اسلامی سماج کی کشتی کو خوفناک طوفان کے تھپیڑوں سے بچایا اور زبردست قربانی دیکر اخلاقی قدروں کی حفاظت کی ان میں مرزا صاحبؒ کا نام سرفہرست ہے۔ مرزا صاحب کے خلیفہ شاہ غلام علی صاحبؒ اور شاہ غلام علی صاحبؒ کے خلیفہ شاہ ابو سعید صاحبؒ ہوئے، شاہ ابو سعید صاحبؒ کے خلیفہ ان کے صاحبزادے شاہ عبدالغنی رح ہیں۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ مدینہ منورہ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رح، حضرت شاہ غلام علی رح اور حضرت شاہ ابو سعید رح کے مزارات دہلی میں ہیں۔ خانقاہ مرزا مظہر جان جاناں جو اب خانقاہ حضرت شاہ ابوالخیر کے نام سے مشہور ہے، شہر کی مشہور و معروف خانقاہ ہے۔

آخر میں سلسلہ نقشبندیہ کی کچھ خصوصیات بھی سنتے جائیے، تمام سلاسل تصوف حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتے ہیں اور یہ سلسلہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ حضرت نقشبندؒ فرماتے ہیں "طریقۂ ما صحبت است" حضرت خواجہ عبید اللہ احرار (خلیفہ حضرت یعقوب چرخی رح خلیفہ حضرت نقشبند) فرماتے ہیں: "ارشاد الٰہی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ" کے بموجب

خلیفہ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رہ کو اپنا حلقہ سپرد کر دیا اور خود گوشہ گیر ہو گئے۔ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رہ تواضع و انکسار کا پیکر تھے۔ معمولی درجہ کے آدمی کو بھی اپنے سے بہتر جانتے تھے لیکن روحانی فیض اور اثر انگیزی کا یہ عالم تھا کہ بقول حضرت مجددؒ

"آغاز تربیت ہی میں قلب سے ذکر الہٰی کا جاری ہونا اور مکمل جذبہ وکیف کی حالت پیدا ہو جانا حضرت کی خصوصیات و تصرفات میں سے ہے۔"

ضرورت مندوں کی حاجت روائی آپ کا شیوۂ خاص تھا، حاجت مندوں کی سفارش کے علاوہ کوئی اور دنیوی گفتگو مجلس مبارک میں نہیں ہو سکتی تھی۔ ریاء و نمود کا ادنیٰ شائبہ بھی طبعِ عالی پر گراں گزرتا تھا۔ صرف چالیس سال کی عمر میں ۲۵ رجمادی الاخری ۱۰۱۲ھ کو وصال ہو گیا۔ مزار مبارک دہلی میں زیارت گاہ ہے۔ خواجہ صاحبؒ کے بعد حضرت سید ابو العلاء رہ نے آگرہ میں قیام فرما کر اس سلسلہ کی خدمت کی اور وہیں ۱۰۶۱ھ میں وفات پا گئے۔

جس ذات والا صفات کے فیض سے یہ سلسلہ بامِ عرش پر پہنچا وہ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رہ کی شخصیت ہے۔ مجدد صاحبؒ نے اصطلاحاتِ تصوف کی دلپذیر تشریح کی۔ ان انقلاب انگیز اصلاحات نے سلسلہ کے ایک ایک خد و خال کو سنوارا اس کی پیچیدگیوں کو سلجھایا اور اپنے مکتوبات اور دیگر گرانقدر تصنیفات کے ذریعہ ان تمام غلط فہمیوں کو دور کیا جو سلوک و تصوف کی دنیا میں پھیلی ہوئی تھیں۔ آپ کے انفاسِ قدسیہ کی برکت سے افغانستان، ترکستان اور سمرقند و بخارا کی طرح یہ سلسلہ ہندوستان کی بھی روحانی زندگی کا ایک تابناک حصہ بن گیا۔

مجدد صاحب رہ ۱۴ رشوال المکرم ۹۷۱ھ مطابق ۵ رجون ۱۵۶۴ء کو سرہند میں پیدا ہوئے ان کے والد ماجد کا نام مخدوم خواجہ عبد الاحد ہے۔ خواجہ عبد الاحد اپنے وقت کے جید عالم اور پاکباز صوفی تھے حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تھی۔ مخدوم عبد الاحد کے سات صاحبزادوں میں مجدد صاحب چوتھے صاحبزادے ہیں۔ مجدد صاحبؒ کی پیشانی پر ہوشمندی اور ذکاوت و نجابت کے آثار شروع ہی سے چمک رہے تھے۔ ۹ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا اور ۱۷ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون سے فراغت حاصل کر لی۔ مجدد صاحب کا دور اکبر اور جہانگیر کی شوکت و سطوت کا دَور تھا۔ مغل سلاطین کے اس دور میں آپ نے حق و صداقت کی شان قائم رکھنے کے لئے بڑے بڑے مصائب برداشت کئے یہاں تک کہ دو سال تک قلعۂ گوالیار میں قید بھی رہے۔ آخر کار وقت کے اقتدار کو آپ کی عزیمت کے سامنے جھکنا پڑا اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے آپ نے جو راہ اختیار کی تھی زندگی کے آخری لمحات تک اس پر مضبوطی سے جمے رہے۔ مجدد صاحب کی زبردست اصلاحی کوششوں سے ہندوستان ہی نہیں تمام اسلامی ملک

لانے سے قبل ہندوستان میں اس سلسلہ کی ترویج برائے نام تھی۔ خواجہ صاحبؒ خود فرمایا کرتے تھے:۔

این تخم پاک را از سمرقند و بخارا آوردیم و در زمین برکت آگین ہند کشتیم"

(یہ بیج ہم سمرقند و بخارا سے لائے اور ہند کی بابرکت زمین میں اس کی کاشت اور آبیاری کی)

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی ولادت ۹۷۲ھ میں کابل میں ہوئی خواجہ صاحبؒ کے والد ماجد قاضی عبدالسلام علم وفضل میں ممتاز اور فقہ و حدیث میں کمال رکھتے تھے انھوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کی اور اس وقت کے مشہور فاضل ملّا صادق حلوائی کے سپرد کردیا۔ خواجہ صاحبؒ نے ملا صاحب سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ ایک دفعہ دورانِ درس میں ایک مجذوب نے خواجہ صاحبؒ سے مخاطب ہوکر فرمایا ؎

درکنز و ہدایہ نتواں دید خدا را   آئینۂ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

اس شعر کا سننا تھا کہ خواجہ صاحبؒ کے دل کی دنیا پلٹ گئی، علوم ظاہری سے اُچاٹ ہوگئے اور مرشد کامل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ پہلے اپنے استاد مولانا صادق حلوائی کے ہمراہ کابل سے ماوراء النہر تشریف لے گئے ماوراء النہر میں بہت سے مشائخ طریقت سے کسب فیض کیا اور بالآخر ایک روحانی اشارے پر ہندوستان کا رخ کردیا۔ ایک سال تک لاہور میں قیام کیا اور پھر دہلی آگئے اور یہیں سے نقشبندیہ سلسلہ کے فیض کو خواص و عوام تک پہونچایا اور حق یہ ہے کہ آپ ہی کے نفسِ گرم سے یہ سلسلۂ عالیہ بام عروج پر پہنچا۔ خافی خاں نے کہا ہے:۔

"حضرت خواجہ باقی باللہ دراں عہد از مقتدائے زماں بودہ، صفات ذاتی و کسبی و خوارقِ ایشاں زیادہ ازان است کہ بزبانِ قلم دادہ شود۔"

خواجہ صاحبؒ کی نظر سوسائٹی کے ان تمام گوشوں تک پہنچ گئی تھی جن میں اصلاح و تربیت کی ضرورت تھی۔ صوفیاء، علماء، طلباء، تاجر، لشکر کے سپاہی اور امراء سب کو حکمت اور موقع و مصلحت کے مطابق ہدایتیں دیں اور ارشاد و تلقین کا ایسا انداز اختیار کیا کہ جس نے انکی بات سنی گناہوں سے اکتا گیا۔ شیخ عبدالحق جیسے علامۂ وقت اور زبردست محدث فرماتے ہیں:۔

"میں جب حجاز سے ہندوستان واپس آیا تو نسبتِ نقشبندیہ کے داعی اور مرشدِ عارف کامل خواجہ محمد باقی رح کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی اور ان کی خدمت میں رہ کر ایک زمانے تک طریقۂ خواجگاں کی مشق کی اور ذکر، مراقبہ، رابطہ، حضور اور یادداشت کی تعلیم مکمل کی"

خواجہ صاحبؒ چند سال تک بنفسِ نفیس مسندِ ارشاد و تلقین پر جلوہ افروز رہے۔ پھر اپنے سب سے بڑے

صادقین کی صحبت و معیت میں رہنا رفاقتِ ظاہری ہے اور ان کے خیال اور تصور میں رہنا رفاقتِ باطنی ہے" حضرت نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے کسی شخص نے دریافت کیا، آپ کے طریقہ کی بنیاد کس چیز پر ہے۔ فرمایا! خلوت در انجمن، یعنی صحبت پر ذکر الٰہی اس طرح چھا جائے کہ ہر آواز اور ہر صدا میں ذاکر کو ذکر ہی محسوس ہو، طریقہ نقشبندیہ میں حرارتِ قلب سماع سے مستغنی کر دیتی ہے۔ مراقبہ اور ذکرِ خفی اس سلسلہ کی جان ہیں۔

سلسلۂ مشائخ

		ولادت	وفات
۱	رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	سنہ ۱ عام الفیل ۵۷۱ء	سنہ ۱۱ھ ۶۳۲ء
۲	خلیفۂ رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	سنہ ۲ عام الفیل	سنہ ۱۳ھ
۳	حضرت سلمان فارسی ،، ،،		سنہ ۳۶ھ
۴	حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر ،، ،،		سنہ ۱۰۱ھ
۵	حضرت ابو عبداللہ جعفر صادق ،، ،،		سنہ ۱۴۰ھ
۶	حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ		۲۳۶ھ
۷	حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی ،، ،،		۴۲۵ھ
۸	حضرت خواجہ ابو علی فارمیدی ،، ،،	۴۳۳ھ	۵۱۱ھ
۹	حضرت ابو یعقوب خواجہ یوسف ہمدانی ،، ،،	۴۴۰ھ	۵۳۵ھ
۱۰	حضرت خواجہ جہاں عبدالخالق غجدوانی ،، ،،	وفات	۵۷۹ھ ۱۱۷۹ھ
۱۱	حضرت خواجہ عارف ریوگری ،، ،،		۶۱۶ھ
۱۲	حضرت خواجہ محمود الخیر ،، ،،		
۱۳	حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی ،، ،،		۷۱۵ھ
۱۴	حضرت خواجہ محمد بابا سماسی ،، ،،		
۱۵	حضرت سید امیر کلال ،، ،،		۷۷۲ھ
۱۶	حضرت شیخ سید بہاء الدین نقشبند بخاری ،، ،،	۷۱۸ —	۷۹۱ھ ۱۱۸۸ء
۱۷	حضرت خواجہ علاء الدین عطار ،، ،،		۸۰۲ھ

۱۸ حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ

۱۹ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار ” ” ۸۹۵ھ

۲۰ حضرت مولانا محمد زاہد ” ”

۲۱ حضرت درویش محمد رحمۃ اللہ علیہ

۲۲ حضرت مولانا خواجگی امکنگی بن حضرت درویش محمد ” ” ۱۰۰۹ھ

۲۳ حضرت خواجہ باقی باللہ ” ” ۹۷۲ھ - ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء

۲۴ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی ” ” ۹۷۱ھ / ۱۵۶۴ء ۱۰۳۴ھ

۲۵ حضرت خواجہ محمد معصوم بن شیخ احمد فاروقی رح (مجدد الف ثانی کے تیسرے صاحبزادے) ۱۰۰۷ھ - ۱۰۷۹ھ

۲۶ حضرت سلطان الاولیاء شیخ سیف الدین (بن خواجہ محمد معصوم) ۱۰۳۹ھ - ۱۰۹۲ھ

۲۷ حضرت سید نور محمد بدوانی ” ۱۱۳۵ھ

۲۸ حضرت خواجہ شمس الدین مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۹۵ھ

۲۹ حضرت مولانا عبد اللہ المعروف بہ غلام علی احمدی ” (ولادت وٹالہ پنجاب) ۱۱۵۶ھ - ۱۲۴۰ھ

۳۰ حضرت شاہ ابوسعید ” ۱۱۶۴ھ - ۱۲۵۰ھ

۳۱ حضرت شاہ عبد الغنی دہلوی ثم المدنی ” بن شاہ ابوسعید رح ۱۲۳۵ھ - ۱۲۹۵ھ

(آپ کا سنن ابن ماجہ پر حاشیہ "انجاح الحاجہ" کے نام سے ہے)

۳۲ حضرت شاہ محمد رفیع الدین عثمانی دیوبندی ثم المدنی ” ۱۲۵۲ھ - ۱۳۰۸ھ

۳۳ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی دیوبندی ” ۱۲۷۵ھ - ۱۳۴۴ھ

۳۴ حضرت مولانا قاری محمد اسحٰق دہلوی ثم المیرٹھی ” ۱۲۸۷ھ - ۱۳۶۴ھ

۳۵ حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی ” ۱۳۱۷ھ - ۱۳۸۵ھ

خالق کائنات ہی خالق اسباب ہے

پیروان حق جس حقیقت کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتے ہیں اس کا تعلق ظاہری اسباب سے اوپر اٹھ کر اسباب کے پیدا کرنے والے کے ساتھ ہوتا ہے، وہ اس ہستی کی بندگی کی دعوت دیتے ہیں جس نے اپنی قدرت سے کائنات میں کارفرما اسباب کو پیدا کیا ہے۔

آگ جلاتی ہے اس میں جلانے کی خاصیت اللہ نے پیدا کی ہے، وہ جب چاہے اس خاصیت کو بدل بھی سکتا ہے، خالق کائنات ہی خالق اسباب ہے اس نکتہ کی طرف ذہن کو متوجہ کرنے کے لئے پیروان حق کے کچھ ایسے واقعات سامنے آتے ہیں جو عام عادت سے ہٹے ہوئے ہیں تو اس میں حیرت کی بات اسلئے نہیں ہے کہ اسباب کے پڑے ہوئے پردے کو اٹھا دینا بھی مسبب الاسباب کا کام ہے بندے کے ذریعے اس کا اظہار ہو رہا ہے۔

اس طرح کے کچھ واقعات حکیم الاسلام کی خیریں زبان سے:۔

" منشی سید احمد صاحب حضرت اقدس کے علاتی بھائی فرماتے تھے کہ بچپن ہی سے علم، تحمل بردباری آپ کے نفس کا جوہر تھی اگر کسی چیز کو جی چاہا اور والدہ نے نہ دی تو رونا چلّانا نہیں یا چپ ہو کر رہ جاتے یا اس شے سے محرومی پر بہت ہی دل کڑھتا تو کوٹھری میں اندر گھس کر کسی کونہ میں منھ چھپا کر ٹھنک لیتے اور رو لیتے لیکن چیخنا، چلانا یا واویلا اور فریاد کرنا بچپن میں بھی کبھی نہیں دیکھا گیا جو قلب کے فطری طور پر صابر اور ضابط ہونے کی علامت ہے۔ گویا آپ کو بچپن ہی سے مقام رفیع کے لئے تیار کیا جا رہا تھا اور آپ کی فطری صلاحیتیں خود ہی ان بلند مقامات کو مانگ رہی تھیں۔

چنانچہ حسب بیان محترم منشی سید احمد صاحب عثمانی (برادر خورد حضرت مفتی اعظم ہند) جب حضرت مفتی اعظم نے حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور ریاضت و سلوک کا راستہ اختیار فرمایا تو مزاج میں یکسوئی اور غنا عن الخلق بڑھتا گیا۔ بیوی بچوں کی طرف سے التفات ہٹ گیا۔ خلوت گزینی اور یکسوئی اور مخلوق سے انقطاع کی کیفیات کا غلبہ ہو گیا تو ان کے والد ماجد حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ سے عرض کیا کہ جس راہ پر آپ نے عزیز الرحمٰن سلمہٗ کو ڈالا ہے اس کے اچھے اور مبارک ہونے میں تو کوئی کلام ہو ہی نہیں سکتا اور اسے چھڑایا بھی نہیں جا سکتا۔ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ عزیز الرحمٰن بیوی بچوں کی طرف توجہ کرنے لگے۔ اس پر شیخ نے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ کو اللہ نے اور بھی اولاد دی ہے اور آئندہ ہوگی بھی انھیں آپ جس طرح اور جہاں چاہیں لگا دیں۔ اس ایک کو صرف اللہ ہی کے لئے چھوڑ دیں، اس پر والد نے خاموشی اختیار فرمائی۔

توجہ الی اللہ اور اس کے اثرات

اس حقیقت کا ظہور مستقبل میں ... مختلف رنگوں میں ہوا اور واقعات نے بتلایا کہ حقیقتاً ایک ذات

جب اللہ ہی کے لئے مخصوص ہوگئی تھی تو اللہ بھی اس کے ساتھ ہوگیا جس کے پاکیزہ آثار نمایاں ہوتے رہے اور ایک زندہ تاریخ بن گئی۔

○ اس توجہ الی اللہ اور توجہ حق کے اثرات کفار اور حکام تک بھی قبول کرنے لگے۔ حضرت مفتی اعظم کے داماد بابو عبداللطیف صاحب حال منیجر ریاست وقف کرنال نے اس دور میں سرکاری ملازمت کے لئے درخواست دی، اس عہدہ کے لئے امیدوار اور بھی کافی تعداد میں تھے۔ بابو صاحب نے حضرت مفتی صاحب سے عرض کیا کہ اس جگہ کے لئے میں بھی امیدوار ہوں مگر اتنے امیدوار کے ہوتے ہوئے نہ معلوم میں کامیاب ہوسکوں گا یا نہیں، دعا فرمادیں۔

اس زمانہ میں مظفر نگر کا یورپین کلکٹر مارش نامی تھا۔ اسی کے یہاں سب امیدواروں کو انٹرویو کے لئے پیش ہونا تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ مارش سے انٹرویو کے وقت یہ کہدینا کہ میں مفتی عزیزالرحمٰن کا داماد ہوں بابو صاحب کو حیرانی ہوئی کہ بھلا کلکٹر اور وہ بھی انگریز، اور انگریزوں کے اس ابتدائی دور کا کلکٹر جو ضلع کا تنہا مالک ہوتا تھا اس پر مدرسہ دیوبند کے ایک مولوی کا اثر کیا ہوسکتا ہے کہ وہ اس کا نام سنتے ہی جھک جائیگا۔ اور ملازمت دیدے گا۔ بابو صاحب نے اسے حضرت مفتی اعظم کی سادگی پر محمول کر کے اس بات کوئی اہمیت نہ دی۔ انٹرویو میں گئے اور کلکٹر سے یہ جملہ نہ کہا اور ناکامیاب ہوکر چلے آئے اور حضرت مفتی صاحب سے عرض کیا کہ میں تو کامیاب نہیں ہوا۔ فرمایا تم نے اس سے کہدیا تھا کہ "میں مفتی عزیزالرحمٰن کا داماد ہوں"۔ کہا کہ نہیں، میں نے تو یہ نہیں کہا۔ فرمایا کہ "اچھا اب جاکر کہدینا"۔ اور زیادہ حیرت ہوئی کہ اب تو انٹرویو کا قصہ بھی نہیں رہا۔ اب اس بے محل سفارشی جملہ سے کیا ہوگا۔ تاہم مارش کلکٹر کے پاس گئے اور کہا کہ انٹرویو میں بھی تھا اور میں مفتی عزیزالرحمٰن کا داماد ہوں۔ اس پر مارش خوش ہوا اور اس عہدہ پر انھیں کو مامور کر دیا۔

یہی وہ تعلق مع اللہ ہے جس سے ان اہل اللہ کو ملک القلوب کہا گیا ہے جن کی حکومت قلوب پر ہوتی ہے اور حکام و سلاطین بھی ان کے اثرات قبول کرتے ہیں اور وہ بھی اسطرح کہ ان اللہ والوں کا نام لے دیا جانا مشکل معاملات کے لئے کافی حل ہوتا ہے۔

○ اسی انداز کا ایک اور واقعہ منشی سید احمد صاحب نے بیان فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب کسی سفر کے لئے تیار ہوئے گاڑی آخر شب میں جاتی تھی اس لئے نماز عشاء کے بعد ہی اسٹیشن تشریف لے گئے۔ اسوقت دیوبند کے اسٹیشن پر کوئی مسجد بنی ہوئی نہیں تھی۔ مسجد کے نام سے ایک چبوترہ تھا جس پر مسافر جا لیٹتے تھے۔ حضرت مفتی اعظم بھی اس پر جاکر بیٹھ گئے۔ ساتھ میں منشی سید احمد صاحب موصوف اور بعض دوسرے اعزہ بھی تھے باہم کچھ بات چیت بھی ہوتی رہی۔ پھر بعض نے نماز و تلاوت شروع کر دی جس میں کچھ آوازیں ذرا اونچی ہوگئیں۔

تو اسٹیشن ماسٹر جو ہندو تھا اور متعصب بھی، جھلّا کر اپنے گھر میں سے نکلا اور بڑبڑاتا ہوا آکر ان حضرات کو کچھ سخت وسست کہنے لگا کہ نہ سوتے ہیں اور نہ سونے دیتے ہیں۔ یہ کہاں کی نماز اور قرآن لگایا ہے کہ لوگوں کو پریشان کرنے چلے آئے۔ اور غصہ میں بھرا ہوا بولتا اور بکتا رہا۔ حضرت مفتی صاحب نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔" یہ اس لئے بول رہے ہیں کہ ہم نہیں بولتے"، خدا جانے اس جملہ میں کیا تاثیر تھی کہ وہ ٹھنڈا ہو کر الٹے قدم ایسا گیا کہ نہ پھر بولا، نہ لوٹا۔ اور ان سب حضرات نے اس چبوترہ پر رات اطمینان سے بسر کی۔

اللہ والے جب اس قوت غنا ویقین کی طاقت سے تصرفات کرتے ہیں تو یہ تو ایک دنیوی بات تھی جو اُن کے یہاں کوئی اہمیت نہیں رکھتی دنیا ہی میں رہتے ہوئے آخرت بھی سنورتی چلی جاتی ہے۔

والد محترم کا آخری وقت اور آپکی توجہ باطنی

منشی سید احمد ممدوح ہی نے بیان فرمایا کہ جب حضرت مفتی صاحب کے والد ماجد مولانا فضل الرحمن صاحب کے انتقال کا دن آپہنچا تو گیارہ بارہ بجے کے قریب ان پر غیر معمولی بے چینی اور اضطراب کی کیفیت طاری ہوئی حد درجہ مضطرب اور بے چین تھے اور کسی کروٹ چین نہ تھا یہ کسی کو بھی تصور نہ تھا کہ وقت آخر قریب آرہا ہے تاہم اس اضطراب پر سارا گھر بے چین اور متاثر تھا۔

مولانا فضل الرحمن صاحب ساری اولاد میں حضرت مفتی صاحب کو بلا لفظ "مولوی" کے کبھی خطاب نہیں فرماتے تھے اس بے چینی میں بھی ان سے (منشی سید احمد صاحب سے) فرمایا کہ مولوی عزیز الرحمن کہاں ہیں انھوں نے جواب دیا ابھی تو یہیں تھے شاید کھانا کھانے چلے گئے ہیں۔ فرمایا "بلا لاؤ"۔ وہ کہتے ہیں کہ میں بلانے گھر پہنچا، اور والد کی بے چینی کا ذکر کیا، اور یہ کہ آپ کو ابھی بلایا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کھانا کھانے بیٹھ چکے تھے، مگر بلاوے کا لفظ سنتے ہی اسی حالت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور میرے ساتھ چلے آئے۔ والد نے دیکھ کر اب جو خطاب کیا تو لفظ مولوی سے نہیں بلکہ صرف عزیز الرحمن کہکر مخاطب بنایا اور فرمایا کہ عزیز الرحمن تو نے ابھی تک میرے لئے انگلی تک نہیں اٹھائی (شاید یہ مطلب تھا کہ دعا نہیں کی) اس پر حضرت مفتی صاحب بے حد نادم و شرمسار سے ہو گئے اور زبان سے کچھ عرض کرنے کے بجائے والد کی چارپائی سے مونڈھا ملا کر بیٹھ گئے اور سر پر رومال ڈالکر گردن جھکائی اور مراقب ہو گئے۔ چند منٹ کے بعد ہی دیکھنے میں آیا کہ والد کے چہرہ پر جو بے چینی اور بدحواسی تھی وہ سکون و طمانینت سے بدلنے لگی اور آخر کار چہرہ پر اس درجہ بشاشت آئی کہ آنکھیں آسمان کی طرف اٹھا کر بے اختیار ہنسنے لگے اور ہنستے ہوئے اپنے صاحبزادوں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور مولانا مطلوب الرحمن صاحب کو خطاب کیا کہ شبیر ذرا دیکھو تو یہ اوپر کیا ہے اور مطلوب دیکھ تو سہی یہ کیا ہے؟ اور چہرہ حد درجہ

منفرح اور بشاش تھا خوشی چہرے سے ٹپکی پڑتی تھی اور حضرت مفتی صاحب برابر مراقب اور ان کی طرف متوجہ تھے اسی حالت بشاشت میں والد صاحب نے کلمۂ طیبہ پڑھا اور چند منٹ کے بعد روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

اس واقعہ سے حضرت ممدوح کے اس غیر معمولی تصرف اور توجہ کا پتہ چلتا ہے جو مخلوق کا بیڑا پار لگانے میں ان بزرگوں سے نمایاں ہوا ہے۔ ان کے شیخؒ نے گویا آج ہی کے دن کے لئے کہا تھا کہ ایک کو اللہ کے لئے چھوڑ دو۔ یہ اسی کے آثار تھے جو ہویدا ہوئے اور ہوتے رہے ان تصرفات میں یہ کس قدر عجیب وغریب تصرف تھا جو بیٹے نے اپنے شفیق باپ کے لئے دکھلایا جس کے تحت حق تعالیٰ نے نہ صرف ان کے والد کے کرب و بے چینی ہی کو سکون و بشاشت سے بدل دیا بلکہ حسنِ خاتمہ اور مقبولیت کے آثار بھی نمایاں کر کے دکھلا دیئے رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً۔

آثار نسبت باطنی

ان رفیع احوال کے ساتھ نظمِ شریعت کے ادب و تحفظ کا یہ عالم تھا کہ حسب بیان دفتری نور الحق صاحب ایک عجیب وغریب صورت یہ پیش آئی کہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب[1] رحمہ اللہ کے والد[2] ماجد کی قبر میں سے ہر جمعرات کو قرآن شریف کی تلاوت کی آواز سنائی دینے لگی جس کا لوگوں میں چرچا شروع ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اس قبر کے ارد گرد جمع ہونے لگے اور جمگھٹا شروع ہوگیا۔ ہر وقت لوگ گھیرے رہتے اس کا قدرتی ثمرہ یہی ہو سکتا تھا کہ توجہ الی الخلق بڑھ جاتی اور توجہ الی اللہ گھٹ جاتی اور وہ توکل جو بصورت عبادت ہمہ وقت حق تعالیٰ کے سامنے نمایاں ہوتا قبر کے ساتھ لگ کر منقسم ہو جاتا جیسا کہ اس قسم کی غیر معمولی صورتوں سے اس قسم کے نتائج برآمد ہوتے رہے ہیں اور بہت سی بدعات کا ظہور بھی ہوتا رہا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے اسے محسوس فرمایا اور ایک دن اس قبر پر تشریف لے گئے۔ مقررہ وقت پر وہ تلاوت کی آواز سنائی دی تو اسی وقت حضرت ممدوح نے فرمایا: "کیوں لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کر رکھا ہے"

---

[1] حضرت مولانا رفیع الدین رح ۱۲۸۳ھ سے تقریباً بیس سال دارالعلوم کے مہتمم رہے۔ بروز جمعرات ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار حضرت عثمان غنی رض کے مزار کے قریب ہے۔

[2] حضرت مولانا رفیع الدین رح کے والد محترم کا نام مولانا فرید الدین تھا، ان کا مزار دارالعلوم کے شمالی دروازے کے باہر ہے۔

اس جملہ کا زبان سے نکلنا تھا کہ وہ آواز بند ہوگئی اور پھر کبھی سنائی نہیں دی، کیا ٹھکانا ہے اس تصرف کا جو زندوں سے گذر کر برزخ تک پہنچا ہوا ہو، اور قبر والوں پر بھی موثر ہوتا ہو گویا قبر والے برزخ میں بھی ان مربیانِ دین کے وعظ و پند اور تنبیہ کے شائق اور ان پر عمل درآمد کرنے کے لئے مستعد رہتے ہیں۔ سبحان اللہ ایسے ارباب تصرف کی توجہ تام بھلا دنیا والوں پر تو کیوں مؤثر نہ ہوگی جبکہ ناسوتی زندگی میں دنیا ان کا وطن بھی ہوتی ہے اور ان سے جسمانی قرب واتصال بھی رہتا ہے اسی لئے دنیا میں ان کا فیضان دوست اور دشمن سب کے لئے یکساں ہوتا ہے جس کی برکات سے اپنا اور پرایا کوئی بھی محروم نہیں رہ سکتا نسبت باطنی کے یہ روشن آثار اور تصرفات کبھی زبان کے راستے سے نمایاں ہوتے ہیں جیسے وعظ و پند کے الفاظ کی راہ سے قلوب میں اثرات پہنچ جاتے ہیں کبھی ہمت باطنی اور توجہ تام کے راستہ سے یہ آثار فیض ظاہر ہوتے ہیں کبھی نگاہ سے اور کبھی اور ہیئت کذائی سے۔ غرض جیسا موقع ہوتا ہے اسی کے مناسب حال یہ حضرات تصرفات کی صورت اختیار فرماتے ہیں اور نتائج مطلوبہ نمایاں ہوجاتے ہیں۔

تصرفاتِ باطنی کے چند واقعات

آپ کے تصرفات بعض اوقات نہایت کھلے کھلے ہوتے تھے جسے صاحب معاملہ واضح طریقہ پر محسوس کرلیتا تھا۔ منشی سید احمد صاحب کا بیان ہے کہ "گھر والوں میں سے کوئی بھی کسی قسم کی بے چینی میں مبتلا ہوجاتا یا کوئی بھی حادثہ پیش آجاتا اور مبتلا ہوکر اہل خانہ پریشان ہوجاتے مگر جب بھی حضرت مفتی صاحب کے پاس جاکر اپنی سراسیمگی پیش کی جاتی اور ضیق قلب کا اظہار کیا جاتا تو چند ہی جملوں سے اس درجہ اس کا ازالہ فرما دیتے تھے کہ لوگ جاتے تھے بے چینی لے کر اور واپس ہوتے تھے طمانینت و بشاشت لیکر۔"

○ مولانا اشتیاق احمد صاحب[1] ممدوح کا بیان ہے کہ میں ایک باطنی حالت میں مبتلا ہوا اور اگر وہ چند دن رہ جاتی تو میں سخت نقصان و خسران میں مبتلا ہوجاتا، میں اسی حالت میں حضرت مفتی صاحبؒ کے پاس حاضر ہوا اور اپنی حالت پیش کی۔ فرمایا کہ "یہ اسم پڑھ لیا کرو۔" میں نے عرض کیا کہ حضرت دعا فرمادیں، فرمایا دعا تو کروں ہی گا، تم یہ پڑھ لیا کرو۔

مولانا اشتیاق احمد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے وہ اسم پڑھا اور میری حالت رو بسکون ہوگئی اور وہ تمام کیفیات جو پریشان کن تھیں یکسر زائل ہوگئیں۔

○ مولانا ظہور احمد صاحب مدرس دارالعلوم کا بیان ہے کہ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کھلے کھلے تصرفات سے اپنے علاتی بھائی مولانا مطلوب الرحمٰن صاحب عثمانی کی بہت زیادہ دستگیری فرمائی اور متعدد

[1] صدر شعبۂ کتابت۔

مہلکوں سے انھیں اپنے تصرفات سے سنبھالا اور بچایا۔ دیوبند میں ایک زمانہ میں ایک فتنہ جسے شعبدہ کہنا چاہئے احیاءِ موتیٰ کا پیش آیا بعض متصوفین نے مردہ پرندوں کو بظاہر زندہ کرنے کی نمائش کی جس میں مولوی صاحب ممدوح بھی مبتلا ہو گئے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کو معلوم ہوا تو اس صنعت گری کا پردہ چاک فرمایا اور مولوی صاحب کو اس مہلکہ سے بچایا جس سے ان کی حالت سنبھل گئی۔

بہرحال اس قسم کے تصرفات کبھی کسی دنیوی معاملات میں ظاہر ہوتے کبھی الجھے ہوئے مقامات سے نکال لے جانے کے سلسلہ میں صادر ہوتے اور کبھی مدارجِ باطنی طے کرانے کے باب میں ظہور پذیر ہوتے اور بکثرت پیش آتے تھے۔

دارالعلوم کے مختلف اطراف کے طلبہ اور کارکنوں میں بکثرت لوگ حضرت ممدوح کے سلسلۂ بیعت میں شامل ہو کر صفاءِ قلب کی دولت کماتے تھے اور اس طرح آپ کا سلسلہ اطراف ہندوستان میں پھیلا۔

غرض علم و عمل اور حال و مقال میں حضرت ممدوح کی ہستی اکابر دارالعلوم میں ایک مایۂ ناز ہستی تھی۔[1]

(۴) خدمتِ خلق

"مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، جو اللہ کی مخلوق سے محبت کرتا ہے وہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے"۔

یہ ایک حدیث کا مفہوم ہے ——— اللہ کی مخلوق سے محبت ——— ان کی دلداری و خیر خواہی ——— خالق کو راضی کرنے کے لئے مخلوق کی خدمت، حضرت مفتیِ اعظم کی زندگی کا یہ اتنا روشن پہلو ہے جسکی مثال بہت کم ملتی ہے۔

حضرت حکیم الاسلام لکھتے ہیں:۔

مجھے یاد ہے کہ ۱۳۴۷ھ میں جب پہلے حج سے واپس ہوا تو دارالعلوم کے طلبہ اسٹیشن پر لینے آئے اس میں اکابر بھی شامل تھے جمعیۃ الطلبہ نے کچھ خوبصورت جھنڈیاں بنا کر ان سے استقبال کیا چوں کہ اب تک اپنے بڑوں کے خیر مقدموں اور بالخصوص عبادتِ حج سے واپسی کے وقت یہ رسمی صورت نظر سے نہیں گذری تھی اسلئے طلبہ کی محبت کے باوجود یہ روش اس وقت کے ماحول میں دل پر شاق گذری اور بھاری محسوس ہوئی۔ دل میں آرہا تھا کہ ان رسمیات سے انھیں روکوں۔ میری اس کیفیت کو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے (جو اپنی بزرگانہ شفقت سے خود بھی اسٹیشن پر تشریف لائے تھے) اپنی فراستِ باطنی سے محسوس فرمایا اور انھیں یہ خیال گذرا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ (احقر) اس ناگواری کا اظہار اس موقعہ پر کر جائے اور اس کا اثر طلبہ اور ان کے حوصلوں پر بھی برا پڑے اور ساتھ ہی یہ برا اثر لوٹ کر خود اس (احقر) پر بھی پڑے۔ میں حضرت

[1] فتاویٰ دارالعلوم جلد اول از صفحہ ۴۷ تا ۵۶

ممدوح کی اس بزرگانہ شفقت وخیر خواہی اور ساتھ ہی دانائی کی کیفیت کچھ عرض نہیں کر سکتا کہ کس خوبی اور خوبصورتی سے حضرت نے مجھے اس ناگوار صورت سے بچالیا۔ طلبہ سے تو یہ فرمایا کہ تم مسجد میں چلو ہم وہیں آتے ہیں وہ تو اُدھر گئے اور ادھر حضرت مفتی صاحب نے میرے پاس پہونچ کر اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ "بھائی یہ محبت سے آئے ہیں دو چار کلمات شکریہ کے ان کے سامنے کہدینا، ان کا دل بڑھ جائیگا۔" اس وقت مجھے اپنی غلطی پر تنبہ ہوا۔ چنانچہ مسجد پہنچکر حضرت ممدوح کی موجودگی میں باوجودیکہ بولنے کی ہمت نہ ہوتی تھی مگر میں نے تعمیلاً للارشاد طلبہ کےسامنے تشکر کے جملے کہے جس پر طلبہ بھی خوش ہو گئے اور جس برے اثر کے پڑنے کا مجھ پر حضرت کو احتمال تھا میں بھی اس سے بچ گیا اس بچاؤ اور سلجھاؤ پر جو حضرت ممدوح کو خوشی ہوئی جو محسوس ہو رہی تھی وہ بھی بیان سے باہر ہے۔ انھیں خوشی اس کی تھی کہ ان سب چھوٹوں کی بات بن گئی اور کسی کے لئے بھی ناگواری کی صورت پیش نہیں آئی۔

اللہ اکبر، اپنے چھوٹوں کی دلداری ان کے حقوق کی رعایت اور ان کی بات رکھنے کا خیال ان کا بر کا ایک طبعی حال تھا جس میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نمایاں اور ممتاز تھے۔

○ حضرت ممدوح کی مربیانہ شان صرف اپنے چھوٹوں اور متوسلین ومسترشدین ہی تک محدود نہ تھی بلکہ اپنے ہمعصروں اور پیر بھائیوں پر بھی اس کے اثرات نمایاں ہوتے تھے۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب کراچوی حضرت مفتی اعظم کے پیر بھائی تھے جو حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور ان کے خلفاء مجازین میں سے تھے صاحب تصرف بزرگ تھے دیوبند تشریف لاتے اور حضرت مفتی اعظم کے پاس قیام کرتے تھے۔ ایک بار دیوبند تشریف لائے دارالعلوم کے قریب ایک دودھ والے کی دوکان تھی جس سے آں ممدوح کا کچھ معاملہ ہوا اس سلسلے میں دوکاندار نے ایک دن بدمعاملگی کے ساتھ مولانا سے کچھ بدکلامی کی، اور ناموزوں کلمات کہے جس پر مولانا کو غصہ آگیا۔ صاحب تصرف تھے اس کی دوکان پر تیز نگاہ ڈالی تو اس کی دوکان کا سارا سامان الٹ پلٹ ہو گیا کچھ برتن گر گرا گئے کچھ ٹوٹ گئے اور ساری دوکان الٹ پلٹ ہو کر رہ گئی جس سے دوکاندار تو ہیبت زدہ ہو کر دم بخود رہ گیا۔ اور مولانا دوکان کو درہم برہم کر کے قیام گاہ پر چلے آئے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنا تو مولانا ابراہیم کا یہ طرز عمل سخت گراں گذرا، اور فرمایا کہ مولانا، آپ یہاں کیوں آئے ہیں میرے پاس کیا رکھا ہے ایک طالب علم ہوں پڑھنے پڑھانے کا شغل ہے اور آپ ماشاء اللہ خود صاحب تصرف ہیں پھر آپکو کہیں آنے جانے کی کیا ضرورت ہے اور ہم جیسوں کے پاس ٹھہرنے کی آخر حاجت ہی کیا ہے، آپ کے پاس سب کچھ موجود ہے۔ یہ باتیں ناگواری کے لہجے میں فرمائیں، گویا فہمائش کی اور بتلایا کہ اہل اللہ کو تصرف کی طاقت اس لئے نہیں دی جاتی کہ وہ مخلوق خدا سے انتقامی کارروائیاں عمل میں لائیں اور اپنے جذبات سے انکی تخریب کرتے پھریں اور اپنے تصرفات کی طاقت دکھاتے پھریں۔ اس پر مولانا ممدوح نادم ہوئے، توبہ کی اور یہاں سے جاکر اس

دوکاندار سے معافی مانگی۔

علم و عمل کے ساتھ تواضع و کسر نفسی اپنے کو چھپانا اور مٹانا آپ کا خاص رنگ تھا جو چھوٹی چھوٹی جزئیات تک میں نمایاں ہوتا تھا۔ روزانہ کا معمول تھا کہ بعد نماز عصر محلہ کے آس پاس کے گھروں کے دروازوں پر جاکر پوچھتے کہ بازار سے کسی کو کچھ سودا منگانا ہو تو بتلادے۔ گھروں سے آواز آتی، مفتی جی مجھے چار پیسے کی مرچیں لادو، کہیں سے آواز آتی کہ تیل چاہیئے، کسی گھر سے کہا جاتا نمک درکار ہے۔

حضرت ممدوح سب کے پیسے لے لیتے اور بازار جاکر ایک ایک کا فرمائشی سودا خرید، کسی کا نمک، کسی کی مرچ، کسی کا دھنیا۔ اور یہ سب سامان رومال کے الگ الگ کونوں میں باندھ کر خود ہی لاتے۔ یہ بھی گوارا نہ فرماتے کہ اس بوجھ کو کوئی بٹائے۔ خود ہی یہ سامان اپنے کندھوں پر لادتے، بعض اوقات بوجھ سے دہرے ہوجاتے تھے مگر کسی حالت میں گوارا نہ تھا کہ اسے دوسرے کے حوالے فرما کر کچھ ہلکے ہوجائیں۔ پھر خود ہی گھر گھر جاکر یہ اشیاء فرمائش کنندوں کے سپرد فرماتے۔ بے نفسی اور خدمتِ خلق کے مدعی ہزاروں نظر آئیں گے لیکن عمل اور وہ بھی جزئیاتی عمل جس میں نمود و نمود کا نشان نہ ہو۔ کوئی جواں مرد ہو تو دکھلائے۔ لیکن خود ان کے پاک نفس میں اس کا تصور بھی نہ تھا کہ میں کوئی خدمت کر رہا ہوں، یا کوئی بڑا عمل ہے جو میرے ہاتھوں انجام پارہا ہے یا میں کسر نفسی کا کوئی عظیم کارنامہ انجام دے رہا ہوں۔

برسات میں بارہا دیکھا گیا کہ محلّہ کے مکانوں کی چھت ٹپکی اور محلہ دار بیبیوں نے کہلا بھیجا کہ "مفتی جی! ذرا ہماری چھت دیکھ، بہت ٹپک رہی ہے" یہ سنتے ہی حضرت اقدس لنگی باندھ کر بارش میں نکل کھڑے ہوتے اور محلہ والوں کے مکانات کی چھتوں پر بارش میں مٹی ڈالنے کی خدمت انتہائی ذوق و شوق اور دردمندی کے ساتھ انجام دینا شروع فرمادیتے۔

حضرت کی بے نفسی کا ایک واقعہ

حضرت مفتی اعظم کے مکان سے ملے ہوئے مکان میں ایک بڑی بوڑھی مقیم تھیں جنھیں سب "اماں خوبی" کہا کرتے تھے۔ عمر میں حضرت ممدوح سے بہت بڑی تھیں، انھوں نے ایک دن کہا "عزیز الرحمٰن مکان کی چھت بہت خراب ہوگئی ہے۔ بارش میں اتنا ٹپکا لگا ہے کہ رات بھر ٹپکتے گذر گئی ہے۔ مٹی ڈلوانے کا کوئی بندوبست کرادو"۔ فرمایا کہ بہت اچھا۔ چنانچہ مٹی منگوائی اور ان کے گھر میں ڈھیر کرادی۔ اس پر کہنے لگیں عزیز الرحمان مٹی تو آگئی مزدور کوئی نہیں کہ اسے چھت پر ڈلوادوں۔ فرمایا "اماں اس کا بھی بندوبست ہوجائے گا"۔ اس بارش میں لنگی باندھ کر خود چھت پر چڑھے اور خود ہی چھت پر مٹی ڈالنی شروع فرمائی۔ بارش

میں مٹی ڈالنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بخار آیا سخت تکلیف اٹھائی مگر اس بوڑھی اماں پر یہ واضح نہ ہونے دیا کہ اس مٹی ڈالنے میں کون سے مزدور نے کام کیا اور اس محنت سے اس پر کیا گذری۔؟

عظمتِ وللّٰہیت

کسی نمایاں مقام پر کسی اونچی خدمت کا انجام دینا آسان کام ہے کہ اس میں مدحِ خلائق اور نام آوری کے مواقع ممکن ہوتے ہیں۔ لیکن یہ گمنام خدمات اور وہ بھی ایسے چھوٹے درجہ کی کہ بڑائی پسند کبھی اس خدمت کے آس پاس بھی نہیں پھٹک سکتا بلکہ اسے اپنے وقار اور منصب کے خلاف سمجھتا ہے اور تحقیر کے ساتھ رد کردینا ہی اپنی شان سمجھتا ہے، انجام دینا کوئی آسان کام نہیں مگر حضرت اقدس اسے کیسی للّٰہیت، کیسے شغف اور کیسی دردمندی سے انجام دیتے تھے کہ اسے آنکھیں زیادہ محسوس نہیں کرسکتیں دل محسوس کریں گے کہ اس کی کیا نوعیت تھی؟ یہ خدمت نہیں تھی مجاہدۂ عظیم تھا جسے عظماء ہی انجام دے سکتے ہیں ہر ایک کا حوصلہ نہیں ہے کہ ان خدمات کے قریب بھی آسکے۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بزمانۂ خلافت رعایا کے گھروں میں مشکیزہ اٹھا کر پانی تک بھر آتے تھے اور گمنام بوڑھیوں کے گھروں پر پہنچ کر ان کا کھانا تک پکا آتے تھے تو ان کے اس نقشِ قدم پر چلنا ہر ایک کا کام نہیں۔ یہ مفتی اعظم ہی جیسی بے نفس ہستیوں کا مقام تھا کہ خدمتِ خلق کے اس جذبہ سے سرفراز ہوں اور انھیں کا حوصلہ اور نصیب تھا کہ وہ ان پاکیزہ اعمال کے لئے منتخب کیے گئے۔

جماعت دارالعلوم میں آپ کی انکساری اور کسرِ نفسی کے یہ کارنامے سب کے نزدیک امتیازی شان رکھتے تھے۔ یہ شانِ بے ریائی اور تواضع کی یہ بے مثال عملی صورتیں دائرہ دارالعلوم میں آپ ہی کی ذات کے ساتھ مخصوص سمجھی جاتی تھیں جن کو یہاں کے تمام اکابر عظمت و وقعت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور ان خدمات کو انھیں کا حصہ سمجھتے تھے۔

درس و تدریس

ان عملی مجاہدات کے ساتھ علمی باریک بینیاں مستزاد تھیں۔ افتاء کے ساتھ درس کا شغل مستقل رہتا تھا فقہ وحدیث اور تفسیر کے اونچے اسباق آپ کے یہاں ہوتے تھے بڑی بڑی باریک تحقیقات جو آپکے ذہن رسا کی پیداوار ہوتی تھیں کبھی بھی اپنی طرف منسوب کرکے دعوے کے رنگ میں نہیں فرماتے تھے بلکہ بطور احتمال کے ارشاد فرماتے اور تقریر کے ضمن میں کہتے کہ "اس مسئلہ میں ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے" حالانکہ وہ انکی تحقیق ہوتی تھی مگر کبھی بھی یوں نہیں فرماتے تھے کہ اس مسئلہ میں میری رائے اور تحقیق یہ ہے۔ غور کیا

جائے تو یہ مقام اس علمی خدمت اور عملی بے نفسی کے مقام سے بھی زیادہ بلند اور نازک تر ہے جس تک پہنچنا ہر ایک کا حوصلہ نہیں۔ علمی دقائق خود اپنا ذہن پیش کرے اور اس ذہن کو کبھی بھی آگے نہ لایا جائے، بے نفسی اور فنا کا نہایت ہی اونچا مقام ہے اور یہ اسی کو میسر آسکتا ہے جس نے نفسانیت کو کچل کر رکھ دیا ہو اور کسر نفسی اور تواضع اس کے رگ وپے میں سما گئی ہو۔ (فتاویٰ دارالعلوم جلد اول)

۵ مذاقِ ادب

حضرت مفتی صاحب کی زندگی کا یہ گوشہ بہت نمایاں نہیں ہے کہ وہ عربی، فارسی، اردو ادب کا ستھرا اور پاکیزہ ادبی ذوق بھی رکھتے تھے۔ مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوری رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی وفات (۱۳۳۷ھ) کے حادثہ پر عربی اور فارسی میں جو اشعار آپ نے کہے وہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں جس سے آپ کے ادبی ذوق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

دَارُ الْغُرُوْرِ فَمَا لَنَا مِنْ دَارِ مَا مَرْجَعٌ إِلَّا بِدَارِ قَرَارِ

دنیا دھوکے کا گھر ہے تو ہمارے لیے مناسب نہیں ہے کہ اس کو اپنا گھر سمجھیں، ہماری جائے قیام تو صرف دار آخرت ہے۔

مَا هٰذِهِ الدُّنْيَا مَقَامُ مُقِيْمِهَا هَلْ هٰذِهِ إِلَّا مَتَاعُ بَوَارِ

یہ دنیا اپنے رہنے والوں کے لئے جائے اقامت نہیں۔ اس سے سوائے ہلاکت کے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ہے۔

مَا هٰذِهِ إِلَّا مَعَابِرُ عَابِرٍ أَوْ دَارُ مَنْ لَيْسَتْ لَهُ مِنْ دَارِ

دنیا مسافرانِ آخرت کے لئے گذرگاہ ہے یا ان لوگوں کا گھر ہے جن کا اور کوئی دوسرا گھر نہیں۔

طُوْبٰى لِمَنْ كَسَبَ الصَّلَاحَ وَحَازَهُ بُشْرٰى لِمَنْ وَقَى الشَّقَا بِحِذَارِ

وہ لوگ بابرکت ہیں جو دنیا میں رہ کر صلاح وخیر حاصل کر لیتے ہیں اور وہ لوگ قابل بشارت ہیں جو آخرت کی شقاوت سے ڈر کر اس سے بچ گئے۔

مَاتَ الْمَلَاذُ فَمَا لَنَا مِنْ مَلْجَأٍ كَهْفُ الْخَلَائِقِ بَدْوُهُمْ وَحِضَارِ

ہمارا ملجا وماویٰ جاتا رہا اب ہمارے لئے کوئی جائے پناہ نہیں کیونکہ مولانا رائپوری ہی تمام مخلوق کے لئے جائے پناہ تھے۔

عَبْدُ الرَّحِيْمِ إِمَامُنَا لَمَّا مَضٰى دُكَّتْ جِبَالُ الْعِلْمِ بَعْدَ قَرَارِ

مولانا عبدالرحیم صاحب جو کہ ہم سب کے مقتدا تھے جبکہ اس دار فانی سے تشریف لے گئے تو باوجود کہ زمین کے پہاڑ سخت مستحکم تھے ان میں زلزلہ پڑ گیا۔

ضَاقَتْ أَرَاضِيْنَا بِرَحْبِ فِنَائِهَا صَارَتْ مَسَاعِيْنَا هَبَاءَ غُبَارِ

مولانا کی وفات کے بعد ہماری یہ وسیع زمین تنگ معلوم ہونے لگی اور ہماری تمام کوششیں بالکل بیکار ثابت ہوئیں

قَدْ كَانَ شَيْخًا عَارِفًا مُتَوَاضِعًا ذَا مَنْطِقٍ عَدْلٍ وَّذَا فَخَّارِ

مولانا عالم باعمل خدارسیدہ، منکسر المزاج، حق گو اور بہت سے مناقب والے تھے

تَلَّاءَ قُرْآنٍ مُلَازِمِ ذِكْرِهٖ مُسْتَغْفِرًا لَيْلًا وَّبِالْأَسْحَارِ

قرآن کی تلاوت آپ بکثرت کرتے تھے اور رات دن خداوند عالم سے استغفار کرتے رہتے تھے

وَاهًا لَهٗ مِنْ سَيِّدٍ عِلْمٍ عُلًا قُلَلَ الْكَمَالَ بِعِزَّةٍ وَّوَقَارِ

وہ عجیب سردار تھے اور علم دین کے پہاڑ تھے کمال کی چوٹیوں پر باعزت و وقار پہونچ گئے

سَادَ التُّقَاةَ بِهَدْيِهٖ وَتُقَاتِهٖ صَعِدَ الْكَمَالَ بِتُؤْدَةٍ وَّوَقَارِ

مولانا کو اپنی عادات کی وجہ سے عالم کے متقیوں کی سرداری مل گئی تھی اور کمالات انسانی کو آپ نے نہایت غور کیساتھ حاصل کرلیا تھا

لَمَّا قَضٰى وَاشْتَاقَ رُؤْيَةَ رَبِّهٖ وَافَتْهُ رَحْمَةُ رَبِّهِ الْغَفَّارِ

جس وقت آپکو اپنے خالق کے دیدار کا شوق دامنگیر ہوا تو اسی وقت خداوند عالم کی مغفرت آپ کے پاس آپہونچی

أَوْلَاهُ مَوْلَاهُ مَرَاتِبَ قُرْبِهٖ أَعْطَاهُ رِضْوَانًا جَزَاءَ خِيَارِ

خداوند عالم نے آپ کو اپنے قرب کے مراتب عطا فرمائے اور آپ کو اپنی رضا عطا فرمائی جو کہ نیکوں کو ملتی ہے

قَدْ قُلْتُ أَقْبِلْ رَاغِبًا تَارِيْخُهٗ لَمَّا دَعَاهُ أَجَابَ بِاسْتِبْشَارِ

میں نے سن تاریخی کی نسبت کہا کہ وہ خداوند عالم کے پاس بخوشی پہنچے جب خلاق عالم نے انکو بلایا تو انھوں نے لبیک کہا

فَاتَ غَوْثُ الْأَنَامِ كُلِّهِمْ ذُوْ فَخَارٍ وَّمَعْدَنُ الْحِكَمِ

تمام مخلوق کے فریادرس صاحب مناقب کثیرہ - معارف خداوندی کے خزانہ دنیا سے اُٹھ گئے

قُطْبُ أَقْطَابِ عَصْرِهٖ حَقًّا حَبْلُ دِيْنِ الْإِلٰهِ ذِي الْكَرَمِ

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے یقینی قطب الاقطاب تھے خدائی دین کو مضبوط رکھنے والے اور کرم والے تھے ۔

غَوْثُ خَلْقٍ مَلَاذُهُمْ طُرًّا طَوْدُ فَضْلٍ وَّمَنْبَعُ الْكَرَمِ

مولانا مخلوق کے فریادرس، ان کے لئے جائے پناہ، فضیلتوں کے پہاڑ۔ کرم کے منبع تھے۔

ضَاقَ مِنْ مَوْتِهِ الْفَضَا عَجَبًا حَارَ مِنْ فَوْتِهٖ ذَوُو الْحِلْمِ

کسقدر عجیب بات ہے کہ انکے مرنے کیوجہ سے ساری زمین تنگ معلوم ہونے لگی اور انکی وفات کی وجہ سے بڑے بڑے متحیر رہ گئے۔

كَانَ ذَا مَفْخَرٍ وَّمَنْقَبَةٍ ذَا رَشَادٍ وَّقَائِدَ الْأُمَمِ

آپ صاحب مفاخر و مناقب و رشد و ہدایت اور جماعت مسلمین کے سردار تھے۔

حَازَ كُلَّ الْكَمَالِ تَبْصِرَةً   فَازَا عَلیٰ مَنَاةٍ مِنْ نِعَمٍ

آپ نے تمام کمالات کو حاصل کرلیا تھا اور آپ نے تمام اخروی نعمتیں حاصل کرلی تھیں

قَدْ مَحَا رَسْمَ بِدْعَةٍ وَشَفیٰ   قَلْبَ كُلِّ الْاَنَامِ مِنْ سَقَمٍ

آپ نے بدعت کا نام ونشان مٹا دیا تھا اور گناہوں کے امراض سے مخلوق کو شفا دیدی تھی۔

جَاءَ تَارِيْخُهٗ بِتَبْشِرَةٍ   اُدْخُلُوْا خَالِدِيْنَ بِالنِّعَمِ[1]

آپ کی تاریخ وفات خوشی کے ساتھ یہ حاصل ہوئی کہ خداوندعالم کی دائمی نعتیں حاصل کرو اور جنت میں ہمیشہ کیلئے داخل ہوجاؤ

مرشد و رہنما حلیم و کریم   حضرت شیخ عصر عبد رحیم
گوہرِ شاہوارِ عرفان تھے   اور حقیقت کے تھے وہ دُرِّ یتیم
تھے سراپا تواضع واخلاق   حق نے ان کو دیا تھا قلبِ سلیم
ماحی بدعت ضلالت تھے   حامیٔ سنتِ نبی کریم
جانشین رشید عالم تھے   قاسمِ خیر کے حبیب وندیم
یادِ حق میں فنا و مستغرق   تھی اُسی سے جو تھی امید وبیم
فرد عالم ضیائے ملت ودیں   ناصح عالم و شفائے سقیم
ثانی و باقی وصفی و نقی   ہادی و مہدی ورضی وحلیم
تھے سخاوت میں حاتم طائی   زہد و تقویٰ میں ان کا مثل عدیم
ذکر حق تھا غذائے روحانی   فکر عقبیٰ تھا بس انیس وندیم
مظہرِ کامل صفاتِ کمال   مجمع صبر وشکر و خلق عظیم
خدمت دیں میں تھے کمربستہ   خادمِ ملت وصراطِ قویم
سالکِ راہِ حق بصدق ویقیں   طالبِ رحمت ورضائے کریم
مجلسِ علم کے سراج منیر   محفلِ فقر کے امامِ عظیم
کوہِ حلم و وقار و تقویٰ تھے   بحر جود و سخا ولطفِ عمیم
قطبِ عالم سے فیض تھا ان کا   تھی وہی تمکنت وہی تعلیم
مدح و ذم میں جہاں یکسر   تھے برابر پئے رضائے کریم
قطب دور ولایت وارشاد   غوث اقطاب ومرشدِ اقلیم

---

[1] ماہنامہ القاسم دارالعلوم دیوبند ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ صفحہ ۴۰۳، ۴۷

مسجدیں ان کی ذات سے آباد
تھے مدارس کے معتمد ندیم

تھے مطاع و معظم و ذیشان
ان کی کرتے ملائکہ تکریم

جامع علم و حلم و زہد و رضا
بحر جود و کرم کے دُرِ یتیم

خادمِ سنت و کلامِ مجید
قاری و حافظ تقی و حلیم

رافع رایت شریعت و دیں
بائن و کائن در رشید و کریم

قائم اللیل صائم ایام
منبع الخیر و مورد تکریم

ساتھ تھے حق کے باہمہ احوال
ان کے سایہ سے بھاگتا تھا رجیم

سایۂ حق پئے سعیدِ ازل
قہرِ حق از پئے شقی و لئیم

ظلِّ یزداں امامِ اہلِ ہدے
رحمت حق نعیم اہل نعیم

اہل باطل سے ضد لوجہ اللہ
اہل حق کے مدام حُبِّ صمیم

حُبِّ حق میں فنا رہے دائم
شائق وصل و فضل رب کریم

عاقبت ان کی ہو گئی محمود
سن رحلت ہے "درکِ فوز عظیم" لہ
۱۳۳۷ھ

آہ رفتہ زما بسوئے جناں
قطبِ دوراں امام و شیخ زماں

آنکہ ذاتش تمام مظہرِ نور
بود و قلبش ز حبِّ حق مَلاں

آنکہ کارش ہمہ ہدایت بود
وانکہ با جملہ بود فیض رساں

فیضِ او در بلادہا ساری
جودِ او رفتہ در کنارِ جہاں

آنکہ بودہ فصیح جملہ انام
وانکہ مارا پناہ بود و اماں

صدقاتش چو بحرہا جاری
کلماتش چو مہر نور فشاں

در ہمہ عمر شاغل مولیٰ
در ہمہ وقت ذاکرِ یزداں

حلم و علم و حیا و زہد و رضا
صبر و شکر و قناعت و احساں

بود در وے ہمہ صفاتِ کمال
مظہرِ فیض و منبعِ ایقاں

بہ بشاراتِ شاہِ ختمِ رسل
قبرِ او گشتہ روضۂ رضواں

لہ ماہنامہ القاسم دارالعلوم دیوبند محرم ۱۳۳۹ھ صفحہ ایک

دارِ اکدار را بما گذاشت / شد بسوئے جنانِ خلد رواں
من اَحبّ اللقاء فی الدنیا / حبِ حق ہم لقاءِ اورا داں
چوں محبِ لقائے حق بودہ / گشت محبوبِ حضرۃِ رحماں
نزدِ حق رفتہ کا راغباً فی اللہِ / بادلِ شوق و ذوق خندہ کناں
سالِ رحلت دگر عزیز بگفت / طابَ حبٌّ بہارِ باغِ جناں
چوں ز دنیا برفت در دل داشت / حب زادِ بہارِ باغِ جناں

شاہِ والا شان شہ عبدالرحیم / بود در دنیا ز مشتاقانِ خلد
بود از پاکاں و نزدیکانِ حق / با ملائک گشت از ارکانِ خلد
بود مشغولِ عبادت روز و شب / شد جزائش راحت و ریحانِ خلد
خدمتِ اضیاف بودہ کارِ او / چوں ز دنیا رفت شد مہمانِ خلد
ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد / خدمتِ پاکاں دہد ایوانِ خلد
بود در دنیا بکارِ دیں مقیم / نام او کردند در دیوانِ خلد
ترکِ دنیا چوں بحکمِ حق بگفت / شد بشارت داخلِ دیوانِ خلد

ز وصلِ شہِ پاک عبدالرحیم / شدہ تار و تاریک ارض و سما
نگریند بروے چرا جن و انس / کہ ارض و فلک ہست محوِ بکا
ز حسرت چرا ما نمالیم کف / کہ رفتہ ز ما ایں چنیں رہنما
رشیدے سدیدے ہمہ رائے او / انیسِ حق و رازدارِ خدا
ز احداث فی الدین دائم نفور / ہمہ خُلقِ او سنّتِ مصطفٰے
بزہد و ورع گوئے سبقت ببرد / مسلّم باو شد فنا و بقا
ہمہ رائے او رشد و خیر و ہدیٰ / ہمہ کارِ او کارِ دین و وفا
چنیں مہربانی باضیافِ خویش / کسے دیدہ از کس بگوید بما

ہمہ عمر شاغل باعمالِ خیر — ہمہ وقت مشغولِ ذکرِ خدا
ہمہ خُلقِ او خُلق دینِ نبی — ہمہ خُلقِ او خُلق صدق وصفا
شکورٌ صبورٌ بما نالہٗ — حییٌ کریمٌ کثیر العطا
پے سالِ رحلت بیامد ندا — لَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا بما
١٢ ٣٢

بیامد پے سالِ وصلش بحق
لَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ندا
١٢ ٣ ٩

حیدرآباد دکن کے پاک باطن رئیس مولانا مولوی عبد الباقر خاں صاحب کا انتقال ربیع الاول ۱۳۳۶ھ یکم جنوری ۱۹۱۸ء کو ہوا، اس موقعہ پر مفتی صاحبؒ نے اپنے قلبی غم کا اظہار اِن فارسی اشعار میں فرمایا۔[ل]

نیست برجائے زمانے راقیام — ہست دروے دائما رحل ومقام
جائے راحت چیست ایں دارِ الم — عینِ صحت ہست مملوِّ سقام
آنکہ بودہ صاحبِ خیرِ کثیر — وانکہ بودہ یادگارے از کرام
آنکہ ذاتش معدنِ جود وسخا — بود بحرِ زاخرے بہرِ انام
کرد رحلت آہ زیں دارِ فنا — رفت سوئے دارِ باقی تیز گام
عبد باقر آنکہ از علم وورع — داشت حظِّ وافرے ما لاکلام
باقرِ علم ونکاتِ مستتر — عابد وتلائے قرآں بالدوام
آں غنی شاکر وصابر کہ بود — جامعِ فضلِ غنار وفقرِ تام
وہ چہ کم بودہ زمانِ وصلِ او — شد سنینِ عمر رویائے منام
بغتۃً زیں دارِ فانی درگذشت — داغِ فرقت داد بہرِ خاص وعام
موتِ غربت ناگہانش در ربود — باشہادت تا شود اورا ختام
مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَیَبْقٰی وَجْھُہٗ — قَدْ کَفٰی بِالْمَوْتِ وَعْظًا یَاھُمَام
بود چوں باقاسمِ خیرش قراں — وز مودت داشت باوے التیام
سالِ رحلش بے عموم وتخرجہ — آں شدہ کاں میدہد بشری تمام
قَرُبَ قَاسِمٍ طَیِّبًا خَیْرًا لَّہٗ — حُبِّ قاسم شد مرا اورا خوش امام
١٢ ھ ٣٦

ل ماہنامہ القاسم دار العلوم دیوبند صفر ۱۳۳۹ھ صفحہ ۲۲ تا ۲۵

ہست وارد در حدیث مصطفےٰ — حُبّ کس با او ہمیں دارد مدام

ہم سنینِ عمرش از مغفور داں (۱۳۲۶) — یائے یسر و یاوری کن انضمام

چوں بجستم بار دیگر سال او — از دلِ پُر درد بہرِ اختتام

گفت بارو یئے نجیب (۵۹) وحزن وآہ

جنت الفردوس (۱۲۷۷) ماوایش مدام[1]

⑥ دارالعلوم میں اختلافات

اور مفتی صاحب کا ڈابھیل میں قیام

گلشن میں پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی ہوتے ہیں — اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ومصلحت پوشیدہ ہے۔

دارالعلوم میں سنہ ۱۳۴۳ھ سے ۱۳۴۷ھ تک اختلاف کا شدید دور رہا ہے، اس کی داستان بڑی طویل ہے، اختصار کے ساتھ اس کے اہم واقعات جس سے واقعات کی صحیح عکاسی ہوسکے پیش ہیں۔

یوں تو دارالعلوم اپنے آغاز ہی سے خلافتِ راشدہ کی طرح گوناگوں حوادث کا شکار رہا ہے، مگر اس سال ۱۳۴۴ھ کے اواخر میں جو اہم حادثہ پیش آیا وہ دارالعلوم کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا پہلا حادثہ تھا۔ اب تک جو حوادث پیش آئے تھے وہ باہر سے اٹھے ہوئے عوارض تھے، مگر یہ حادثہ اندرونی طور پر رونما ہوا تھا۔ اولاً بعض شعبوں کے منتظمین کے خلاف طلباء کی ہنگامی شکایتوں سے اس کا آغاز ہوا۔ عام طور پر ہر جگہ ایسی شکایتیں منتظمین کے خلاف اکثر پیدا ہوجایا کرتی ہیں۔ مولوی گل محمد خاں مرحوم سے مطبخ وغیرہ مختلف شعبوں کا کام متعلق تھا طلباء کو ان سے زیادہ شکایات تھیں، ان معمولی باتوں نے شعبان میں سالانہ امتحان کے موقعہ پر عین دارالامتحان میں اچانک ایک ایسے حادثے کی شکل اختیار کرلی جو آگے چل کر دارالعلوم کی تاریخ میں ایک بڑا اور اہم ہنگامہ بن گیا، مولوی گل محمد خاں مرحوم کیساتھ زدوکوب کا افسوس ناک اور توہین آمیز معاملہ کرنے کے جرم میں پانچ طلباء کا اخراج عمل میں آیا اسی کے ساتھ جن منتظمین سے طلباء کو شکایات تھیں انھیں بھی مؤثر فہمائش کردی گئی مگر مذکورہ طلباء کے

---

[1] ماہنامہ القاسم دارالعلوم جمادی الاول ۱۳۳۱ھ صفحہ ۳

اخراج سے طلبار کی ایک بڑی جماعت میں ہیجان پیدا ہوگیا، انھوں نے اپنے مطالبات میں قوت پیدا کرنے کے لئے "لجنۃ الاتحاد" کے نام سے ایک جماعت قائم کی، دارالعلوم کی جانب سے اس جماعت کو مخلِ انتظام سمجھ کر خلاف قانون قرار دیا گیا، اس دوران میں سالانہ امتحان کے بعد عام تعطیل ہوگئی، طلباء کے اپنے اپنے وطن چلے جانے سے اس وقت یہ ہنگامہ فرو ہوگیا۔

۱۳۴۵ھ گذشتہ ہنگامے کی تجدید

گذشتہ سال طلبہ کے جس ہنگامے کا آغاز ہوا تھا وہ اگرچہ اس وقت بالکل وقتی حالات کا نتیجہ معلوم ہوتا تھا، طلبہ کو بعض منتظمین سے جو شکایات تھیں اُن کا بر وقت تدارک کر دیا گیا تھا مگر بعد میں بتدریج شکایتوں میں اضافہ ہوتا گیا اور رفتار کے ہر موڑ پر اچانک ایسی تبدیلیاں واقع ہوتی رہیں جنھوں نے حالات کو شدید سے شدید تر بنا دیا۔ طلبہ کی انجمن "لجنۃ الاتحاد" جس کی بنیاد گذشتہ سال پڑ چکی تھی نہ صرف یہ کہ وہ باقی تھی بلکہ اس کی طاقت میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔ لیکن اب تک جو کچھ ہوتا رہا وہ صرف طلبہ ہی کی حد تک محدود تھا، طلبہ کو اساتذہ کی اعانت حاصل نہ تھی کہ دفعتًا شعبان کے پہلے ہفتے میں حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب نے طلباء کے مطالبات کی تائید میں یکے بعد دیگرے دو مرتبہ مسجد دارالعلوم میں تقریر فرمائی حضرت شاہ صاحب رح کے ساتھ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رح، مولانا سراج احمد صاحبؒ اور چند دوسرے اساتذہ بھی شریک ہو گئے امتحان سالانہ کے موقع پر منتظمِ مطبخ کو مطبخ سے علیحدہ کئے جانے کا مطالبہ طلبہ کی جانب سے کیا گیا، یہ مطالبہ منتظم اور طلبہ کی ایک معمولی آویزش پر مبنی تھا، اُدھر تو اہتمام کو اس مطالبے کے جائز ہونے میں کلام تھا اور اِدھر طلبہ کو منتظمِ مطبخ کی علیحدگی پر شد و مد سے اصرار تھا۔ یہ احتجاج یہاں تک بڑھا کہ اس کو مخلِ نظم قرار دیکر ایسے طلبہ کا اخراج کردیا گیا جو ایجی ٹیشن کی رہنمائی میں سرگرمی سے حصہ لے رہے تھے، مذکورہ طلبہ کے اخراج پر ہیجان اور بڑھ گیا، اب "لجنۃ الاتحاد" نے اپنے مطالبات اخبارات کے ذریعہ ملک کے سامنے پیش کئے، اس پر تائیدی اور تردیدی مضامین کا ایک طویل سلسلہ عرصے تک اخبارات میں چلتا رہا۔

۱۳۴۶ھ، حضرت شاہ صاحب کے ہم خیال حضرات کا استعفاء

گذشتہ دو سال سے اختلافات کا جو خلفشار چل رہا تھا ہر چند اس میں بعض اوقات کمی تو ہو جاتی تھی مگر اس کا بالکلیہ ازالہ نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے وہ دب دب کر بھی بار بار نمایاں ہو جاتا تھا، ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ

میں حضرت شاہ صاحبؒ رخصت پر اپنے وطن کشمیر تشریف لے گئے، ماہ صفر ۱۳۴۶ھ کے وسط میں آپ نے وہیں سے استعفاء بھیجدیا، ۲؍ربیع الاول کو حضرت شاہ صاحب دیوبند تشریف لائے اور چونکہ مستعفی ہوچکے تھے اس لئے درس شروع نہیں فرمایا، دارالعلوم میں صدر المدرسین کی شخصیت کو ہمیشہ خاص اہمیت حاصل رہی ہے، اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ کی علیحدگی سے طلبہ کا متاثر ہونا لازمی تھا، چنانچہ ۳؍ربیع الاول یعنی حضرت شاہ صاحبؒ کی واپسی کے دوسرے دن سے "لجنۃ الاتحاد" کی جانب سے تعلیمی اسٹرائک کردی گئی جو مسلسل دس دن تک جاری رہی، دارالعلوم میں تعلیمی مقاطعے کا یہ پہلا موقعہ تھا۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ کی سعی وکوشش سے چند دنوں کے لئے بظاہر مفاہمت ہوگئی جس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت اسٹرائک ختم کردی گئی۔ [1]

---

[1] اختلاف کا یہ سلسلہ جو ۱۳۴۳ھ سے شروع ہوا تھا تقریباً ۱۳۴۷ھ تک باقی رہا۔ دارالعلوم کے ریکارڈ، سالانہ روددادوں اور نیز اس سلسلے میں شائع ہونے والے اخبار "الانصار" اور "مہاجر" کے فائلوں میں تفصیلی حالات مذکور ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ باتیں وقتی تھیں، اب نہ وہ حالات باقی ہیں اور نہ ان واقعات کی تفصیلات اپنے اندر کوئی مفید پہلو رکھتی ہیں، راقم سطور نے جزئیات وتفصیلات کو ترک کرکے واقعات کے ایسے نقاط کا بیان کردینا کافی سمجھا ہے جن سے واقعات کے اہم پہلو سامنے آجائیں۔

دونوں جماعتوں کے اکابر اور ان کے علم وفضل، دیانت وصداقت اور ورع وتقویٰ کے پیش نظر اختلافات کی نوعیت کو دیانتدارانہ اختلاف رائے پر مبنی سمجھنا چاہئے جیسے بہت سے ائمہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اختلاف ومشاجرات تاریخ کے صفحات میں مذکور ہیں، رائے کا اختلاف انسانی طبیعت کا فطری خاصہ ہے! نیک نیتی پر مبنی اختلافِ رائے کو زبان نبوت میں "اختلاف امتی رحمۃ" سے تعبیر کیا گیا ہے، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی جب ۱۳۵۵ھ میں دارالعلوم کے صدر مہتمم کی حیثیت سے تشریف لائے تو ایک عام اجتماع میں اس اختلاف وخلفشار کے اسباب بیان کرتے ہوئے نہایت بلیغ انداز میں فرمایا تھا کہ "جس طرح ایک خاص موسم میں سمندر میں جوش وخروش اور ہیجان وتلاطم پیدا ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سمندر کے بخارات بادل کی شکل اختیار کرکے اسی وقت زمین کی شادابی اور سرسبزی کا سبب بنتے ہیں جبکہ زمین اپنی خشکی اور تشنگی کے سبب پانی کی سخت محتاج ہوتی ہے۔ لیکن جب سمندر میں گرمی پیدا ہوکر تموج اور تلاطم پیدا ہوتا ہے تو کچھ جزوی نقصانات بھی ہوجایا کرتے ہیں، جس سے بسا اوقات سمندر میں چلنے والے جہاز تک خطرے میں پڑجاتے ہیں۔ مگر جن لوگوں کی نظر حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر ہوتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اس نقصان میں بھی کوئی نفع کلی ضرور ہے، گو سمندر کا یہ تلاطم اور جوش کچھ لوگوں کو اضطراب وہلاکت میں ڈالدینے والا ہوتا ہے (باقی صفحہ آئندہ پر)

اوائل رجب میں مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا، جس میں بربنائے اختلاف حضرت مفتی صاحب اور مولانا سراج احمد صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہوجانے کی درخواست کی گئی۔ ان حضرات کے استعفے پر چند دوسرے اور اساتذہ نے بھی احتجاج کے طور پر اپنے استعفاء پیش کر دئے اس پر طلباء نے احتجاجاً دوسری مرتبہ پھر اسٹرائک کی۔ یہاں یہ بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ اس اختلاف کے پورے زمانے میں، اساتذہ وطلبہ کی دو جماعتیں ہوگئی تھیں، ایک جماعت اہتمام کے ساتھ تھی۔ اس جماعت کے طلبہ "جمعیۃ الطلبہ" کے ساتھ منسلک تھے۔ دوسری جماعت حضرت شاہ صاحبؒ سے وابستہ تھی — "لجنۃ الاتحاد" طلبہ کی اسی مؤخر الذکر جماعت کا نام تھا۔ اسٹرائک اور مطالبات بھی اسی جماعت کی جانب سے تھے، اول الذکر جماعت نے نہ صرف یہ کیا کہ اسٹرائک میں کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ اس نے پوری شدت کے ساتھ "لجنۃ الاتحاد" کا مقابلہ بھی کیا۔ تعلیمی سال کا یہ آخری مہینہ تھا، حالات پر قابو پانے کے لئے سالانہ امتحان کی تاریخیں کچھ مقدم کر دی گئیں، دو ثلث کے قریب طلباء شریک امتحان ہوئے اور ایک ثلث نے بدستور اپنا مقاطعہ جاری رکھا۔

دوسری اسٹرائک کے بعد سے حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے ہم خیال اساتذہ وطلباء کا رسمی تعلق دارالعلوم سے بالکل منقطع ہوگیا، نیز ان تمام طلباء کو دارالعلوم سے خارج کر دیا گیا جو "لجنۃ الاتحاد" سے دلچسپی رکھتے تھے۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مگر اسی سے مخلوق کے لئے زندگی کا کوئی عظیم الشان فائدہ اور سامان بھی مشیت الٰہی کے پیش نظر ہوتا ہے۔

بالکل اسی طرح دارالعلوم کے علمی سمندر میں بھی ایک طوفان، جوش اور تلاطم اٹھا اور اس کی موجیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں، اس تموج وتلاطم سے کچھ نقصانات بھی پہنچے، مگر یہاں سے بخارات کے جو بادل اٹھے وہ ابر رحمت بن کر گجرات کی اس دور افتادہ سرزمین پر جا کر برسے جو علم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بالکل محروم اور بے بہرہ تھی، علماء دیوبند کے وہاں پہونچ جانے سے ڈابھیل میں جو عظیم الشان مدرسہ عالم وجود میں آیا اس کے علمی فیضان سے آج گجرات کا چپہ چپہ سیراب ہو رہا ہے اور گجرات کا بدعت کدہ بحمد اللہ آج قرآن وسنت کی روشنی سے منور ہے۔

علامہ عثمانی کے الفاظ میں یہ ہے انجام دارالعلوم کے علمی سمندر کے اس جوش وتموج کا جس نے دارالعلوم کی فضاء میں تین چار سال تک مسلسل طوفان اور تلاطم برپا رکھا۔ کسی نے سچ کہا ہے "خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد"۔

---

[1] تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد اول سید محبوب رضوی از ص۲۶۹ تا ص۲۷۳

آخر ان اختلافات کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب وغیرہ دار العلوم سے استعفیٰ دیکر ۱۳۴۶ھ؁ ۱۹۲۸ء؁ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سملک) ضلع سورت تشریف لے گئے۔

دار العلوم سے تعلق منقطع ہونے کا حضرت دادا صاحب مرحوم کو سخت صدمہ پہنچا تھا، کچھ عرصہ بعد ہی آپ دیوبند تشریف لے آئے ــــ آخر وقت موعود آپہنچا۔ حکیم الاسلام مولانا طیب صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت ممدوح کی وفات کی شب میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اور دوسرے بزرگوں کی معیت میں، میں بھی حضرت ممدوح کے پاس حاضر ہوا، وقت اخیر تھا مگر حواس بالکل قائم تھے، مجھے دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور شفقت سے ہاتھ سر پر رکھ کر پیار کیا۔

شنبہ ۱۷ رجمادی الثانی ۱۳۴۷ھ؁ مطابق یکم دسمبر ۱۹۲۸ء؁ کی شب کے دو بجے داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے، دس بجے دن میں احاطۂ مولسری دار العلوم میں آپ کی نماز جنازہ حضرت مولانا سید اصغر حسین نے پڑھائی اور گیارہ بجے آپ دار العلوم کے قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے، آپ کا مزار حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مزار کے قریب ہے اور قبر پر کتبہ لگا ہوا ہے ــــ

طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ

حضرت حکیم الاسلام رح تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"مولانا اشتیاق احمد صاحب استاذ کتابت دار العلوم دیوبند سے میں نے یہ واقعہ سنا کہ مولانا طفیل احمد صاحب نے (جو سلسلۂ نقشبندیہ کے بزرگوں اور دار العلوم دیوبند کے فضلاء میں سے ہیں اور آج کل کراچی میں افادہ وافاضہ میں نمایاں کام کر رہے ہیں) فرمایا کہ میں نے حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کی وفات کے بعد انھیں خواب میں دیکھا کہ حضرت ممدوح ایک نہایت ہی پر فضا مقام پر ہیں اور نہایت بشاش اور بہترین حالات ومقامات میں ہیں۔ حسب عادت اخلاق وشفقت سے ملے اور تھوڑی دیر کے بعد اُٹھے اور فرمایا کہ "یہ وقت حاضری دربار کا ہے، اس وقت ہم کو دیدار کرایا جاتا ہے، اس وقت مجھ کو وہاں جانا ہے" ــــ اور یہ کہکر تشریف لے گئے۔" (فتاویٰ دار العلوم جلد اول ص۵۴، ۵۵)

سُوئے جناں چوں کرد آں رحلت ۱۳۴۷ھ شد از فضلا خالی ایوان
ہاتف خبرے داد از خبرے اہتزلہ عرش الرحمان

———○———

مفتی اعظم ولی اللہ عزیز باصفا ملک باقی کو گئے فنا فی اللہ جب
دستِ بیدادِ اجل سے بے سروپا ہو گئے علم و فضل و شرف و تقویٰ و ورع و دین و ادب

ل — ض — ق — و — ر — ی — ا
۳۰ — ۸۰۰ — ۱۰۰ — ۶ — ۲۰۰ — ۱۰ — ۱

۱۳۴۷ھ

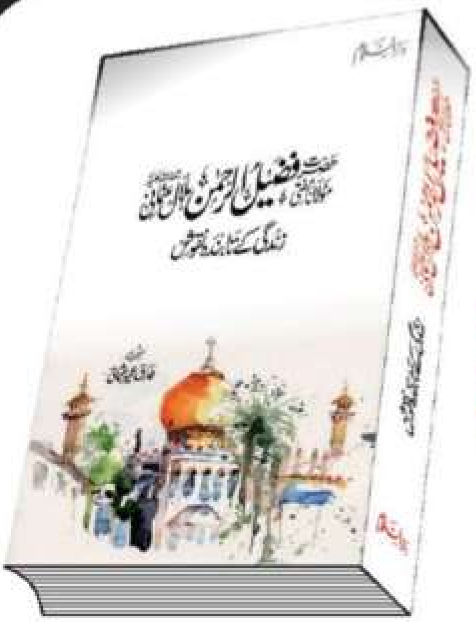
إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ

موت سے کسی مخلوق کو فرار نہیں۔ حضرت دادا صاحب بھی آج دنیا میں نہیں رہے مگر ان کے والد مولانا فضل الرحمٰن عثمانی رہ نے علم کا جو درخت دار العلوم دیوبند کی شکل میں لگایا تھا وہ الحمد للہ آج بھی موجود ہے۔ یہ شجرہ طیبہ ہر موسم میں پھل دے رہا ہے اور خدا کی مخلوق اس سے فیضیاب ہو رہی ہے۔

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ

ان کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی عزیز الرحمان جیسے جامع کمال شریعت و طریقت پیدا کئے۔ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کی اولاد میں بڑے صاحبزادے مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی رہ اپنے فکر و عمل کے اعتبار سے ممتاز عالم دین ہوئے انکا قائم کردہ دار المصنفین دہلی آج بھی موجود ہے۔ چھوٹے صاحبزادے والد محترم جناب قاری جلیل الرحمٰن صاحب عثمانی مدظلہ تقریباً پچاس سال تک قرآن حکیم اور تجوید کی خدمت دار العلوم کے ذریعے انجام دیتے رہے ملک اور بیرون ملک میں ہزارہا شاگرد ہیں جنھوں نے موصوف سے فیضان حاصل کیا اور یہ فیض سلسلہ در سلسلہ جاری ہے۔ خدمت قرآن مجید کے علاوہ حضرت والد صاحب کی بدولت دادا صاحب کی سلوک و احسان کی روایات، انکی تعمیر کردہ دیوبند میں چھوٹی مسجد متصل مسجد چھتہ دار العلوم میں امامت اور بعد نماز فجر سلسلہ نقشبندیہ کے معمولات میں سے ختم خواجگان، کا سلسلہ الحمد للہ ایک صدی سے مسلسل جاری ہے۔ سبحان ربك رب العزة عما يصفون والحمد لله رب العلمين۔ العبد الفقیر فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی۔ مالیر کوٹلہ
مورخہ ۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ ۳ر اکتوبر ۱۹۹۱ء یوم الخمیس۔

دار السلام کی خصوصی پیشکش



حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

زندگی کے تابندہ نقوش

ایک ایسے بندۂ مومن کی زندگی کے نقوش جن کے علم و فضل کی عظمت اور

کردار وعمل کی روشنی موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لئے رہنمائی کا ذریعہ ہے

ایک پاکیزہ صاف ستھری زندگی گزارنے کے لئے راہِ عمل کا تعین

حق گوئی، حق پرستی اور جہدِ مسلسل کی ایمان افروز داستانِ حیات

ملک و بیرونِ ملک کے جید علماء کرام اور نامور اہلِ قلم حضرات کی تحریروں سے

مزین ۵۵۲ صفحات کی یہ کتاب اس دور کی ایک عبقری شخصیت

مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

(مفتی اعظم دار العلوم وقف دیوبند، مؤسس دار السلام اسلامی مرکز مالیرکوٹلہ پنجاب)

کو صرف خراجِ عقیدت ہی نہیں بلکہ یہ ہمیں اُن راستوں کا پتہ دیتی ہے

جو راہِ حق کے متلاشی کو منزلِ مقصود تک پہنچانے والے ہیں

کتاب حاصل کرنے کے لئے واٹس ایپ نمبر 98153 59990 پر

اپنا نام و پتہ ارسال کریں...... کتاب بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک آپ کو بھیج دی جائے گی۔

(محدود تعداد میں دستیاب)

دار السلام اسلامی مرکز مالیرکوٹلہ پنجاب

www.darussalam.org.in